۱۷

اسلام میں عدل و قضا کا تصوّر

شریعۃ اکیڈمی
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

سلسلہ مطالعہ اسلامی قانون (۱۷)

اسلام میں عدل و قضاء کا تصور

شہزاد اقبال شام

شریعہ اکیڈمی

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی ☆ اسلام آباد

(۲) سہو و نسیان سے محفوظ ہو ۱۴
(۳) اسلام ۱۴
(۴) صفت عدالت ۱۵
(۵) سلیم الاعضاء ہو ۱۵
(۶) شرعی علوم کے اصول و جزئیات کا علم رکھتا ہو ۱۵
۱۰۔ قاضی کی صفات پر ایک نظر ۱۶
۱۱۔ آداب القاضی ۱۷
۱۲۔ قاضی کا تقرر جدید دور میں ۱۹
۱۳۔ اسلام کے نظام عدل و قضاء اور دوسرے نظام ہائے عدل و قضاء میں فرق ۲۲
(۱) وحی اور عقل کے اعتبار سے ۲۲
(۲) اخلاق اور قانون میں فرق کے اعتبار سے ۲۲
(۳) ترتیب مضامین کے اعتبار سے ۲۴
(۴) تصور اسباب و علل کے اعتبار سے ۲۴
۱۴۔ اسلامی نظام حیات میں عدل کا مقام ۲۵
۱۵۔ مزید مطالعہ کے لیے ۲۶
۱۶۔ حواشی و حوالہ جات ۲۶
۱۷۔ مصادر و مراجع ۲۷

پیش لفظ

اسلام کی طویل فکری اور عملی تاریخ میں مسلم اہل علم و دانش کو گوناگوں چیلنجوں اور مبارزتوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ دور تابعین میں وضع حدیث اور قضاء و قدر کے بارہ میں شبہات سے لے کر دور جدید کے مغربی علوم و فنون اور تہذیب و تمدن کے استیلاء تک کا یہ سارا زمانہ ایک مسلسل فکری جہاد اور علمی دفاع سے عبارت ہے۔ اس پورے دور میں اہل علم نے نہ صرف حالات زمانہ کو پیش نظر رکھا' بلکہ ہر نئی فکری مبارزت کے جواب میں اکثر و بیشتر انہی ہتھیاروں اور وسائل سے کام لیا جن سے کام لے کر اسلام پر اعتراضات کئے گئے۔ اس کی کامیاب ترین مثال یونانی علوم و فنون سے مسلمانوں کا معاملہ ہے۔ ابتدائی سو' سوا سو سال کے عبوری دور کے بعد بھی مسلمان مفکرین نے یونانی منطق اور فلسفہ سے اسلامی عقائد کی تفسیر و توضیح کی اور اسلامی تعلیمات کی تبیین و تفہیم کا وہ کام لینا شروع کر دیا تھا جس کے عجیب و غریب نمونے امام غزالی' امام رازی' امام شاطبی اور شاہ ولی اللہ دہلوی وغیرہ کی تحریروں میں ملتے ہیں۔

دور جدید میں اس کام کی اہمیت اور پیچیدگی پہلے سے بہت زیادہ ہو گئی ہے۔ پہلے مبارزت صرف ایک میدان میں تھی' یعنی فلسفہ' منطق اور عقلیات کا میدان۔ اب یہ مبارزت زندگی کے ہر میدان میں ہے۔ فلسفہ اور انسانی علوم سے لے کر روزمرہ زندگی کے مظاہر تک' آج ہر قدم پر دنیائے اسلام کو بیرونی اور خارجی قوتوں سے قدم قدم پر نبرد آزما ہونا پڑ رہا ہے۔ ان میں سے بعض مقامات میں یہ نبرد آزمائی نسبتاً زیادہ اہم اور فوری نوعیت کی ہے اور حالات کا تقاضا ہے کہ ملت مسلمہ ان معاملات کے بارہ میں فوری طور پر اپنے آپ کو صف آراء کرے اور اپنے وسائل و اسباب کو کماحقہ استعمال کرے۔ ان اہم اور فوری امور میں ایک انتہائی اہم مسئلہ قانونی' دستوری اور عدالتی معاملات کا ہے۔ اس میدان میں مغربی تصورات و افکار کے تسلط اور غلبہ نے ایک بڑے طبقہ کے ذہن کو متاثر بلکہ ماؤف کر دیا ہے کہ یہ طبقہ اسلام کے تصورات و نظریات کو سمجھنے میں اس طرح مشکل محسوس کرتا ہے جس طرح کوئی بھی مغربی دانشور۔ تاہم یہ بات بڑی خوش آئند ہے کہ دنیائے اسلام میں اس صورت حال کے خلاف ایک شدید رد عمل اٹھتا نظر آرہا ہے جو اگر مثبت اور تعمیری خطوط پر آگے بڑھا تو ایک بڑی خوشگوار تبدیلی کا ذریعہ بنے گا۔

اسی رد عمل کا مظہر وہ دلی آرزو ہے جو اسلام کے تصور عدل و احسان پر مبنی معاشرہ کے قیام اور اسلامی تصورات کے عملی نفاذ عالم اسلام کے گوشہ گوشہ اور چپہ چپہ میں اٹھتی نظر آتی ہے۔ اسی آرزو کی تکمیل کے انتظار میں آج لاکھوں گردنیں کٹ رہی ہیں' لاکھوں گھر اجڑ رہے ہیں' کتنے ہیں جو گھر سے بے گھر ہو رہے ہیں اور کروڑوں دل ہیں جو اس دیرینہ خواب کی تعبیر کی تمنا میں دھڑک رہے ہیں۔ لیکن اس خواب کی تعبیر اس قدر آسان نہیں ہے جتنا ہم میں سے بعض حضرات سمجھتے ہیں۔ اس خواب کی تعبیر ایک طویل سفر کی متقاضی ہے۔ ایسا طویل سفر جس کی پہلی منزل' ایک فکری تبدیلی' ایک تعلیمی تحریک اور ایک ذہنی

انقلاب سے عبارت ہے ۔ جب تک اسلام کے تصورات و تعلیمات پر گہرا ایمان رکھنے والی' دور جدید میں ان کو روبہ عمل لانے کے جذبہ سے سرشار اور اس راہ کی مشکلات سے کلی طور پر آگاہی اور ادراک رکھنے والی نسل وجود میں نہیں آئے گی اس وقت تک اس خواب کو حقیقت کا جامہ نہیں پہنایا جا سکتا۔

اس پہلی منزل کا پہلا قدم اسلامی فقہ اور قانون کی بمحاقہ تعلیم و تدریس اور اس سلسلہ میں ضروری مردان کار کی تیاری کا کام ہے۔ ایسے مردان کار جو اسلامی فقہ کو اس کے بنیادی ماخذ و مصادر سے براہ راست سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہوں' جن کو رائج الوقت قانونی' دستوری' اور عدالتی تصورات سے گہری لیکن ناقدانہ واقفیت حاصل ہو' جو شریعت کی حقانیت اور صلاحیت پر غیر متزلزل ایمان رکھتے ہوں اور دور جدید میں اس کی تعلیمات کو روبہ عمل لانے کا مومنانہ جذبہ رکھتے ہوں۔ ایسے افراد کی تیاری وقت کی وہ اہم ضرورت ہے جس کو ہماری ملی ترجیحات میں ابھی تک وہ جگہ حاصل نہیں ہوئی جو اس کو ہونی چاہیے تھی۔

بلاشبہ ہمارے بہت سے دینی اداروں اوراسلامی تعلیم کے مراکزمیں فقہ کی تدریس و تحقیق کا کام ہو رہا ہے اور فقہی موضوعات پر کتابیں بھی شائع ہوتی رہتی ہیں لیکن یہ سب کچھ قطعاً" ناکافی ہے۔ اس تعلیم و تحقیق کاہمارے قانونی نظام اور دستوری اداروں پر اثر نہ ہونے کے برابر ہے۔ملک میں نفاذاسلام کے کام میں پیش رفت نہ ہونے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے۔

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کی شریعہ اکیڈمی اسی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے قائم کی گئی۔ اکیڈمی نے وکلاء اور ارکان عدلیہ کے تربیتی پروگراموں کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا بھی ایک شعبہ قائم کیا جس کے تحت اردو اور انگریزی میں مختلف موضوعات پر جدید انداز سے اسلامی قوانین کے مختلف پہلوؤں پر کتابوں کی اشاعت کے ایک طویل المیعاد منصوبے کا آغاز کیا گیا ہے۔ تصنیف و تحقیق اور نشرو اشاعت کے اس طویل منصوبہ کے ساتھ ساتھ اکیڈمی نے آج سے چند سال قبل ایک شعبہ ایسا بھی قائم کیا جہاں فاصلاتی تعلیم کے اصولوں کے تحت فقہ اسلامی کی تعلیم کا بندوبست کیا گیا ہے۔

ہمیں خوشی ہے کہ ہماری یہ متواضعانہ پیش کش مقبول ہوئی اور اللہ رب العزت نے اپنی بے پایاں نعمت اور لامتناہی فضل سے ہماری اس کاوش کو کامیابی سے نوازا اور ہم تین سال کی مختصرمدت میں اس کورس کے ذریعہ پاکستان اور بیرون پاکستان کے کوئی ڈیڑھ ہزار افراد تک اسلامی قانون اور فقہ کی ایک مربوط اور جامع تصویر پہنچانے میں کامیاب ہوئے۔

زیر نظر کورس وکلاء ' طلبہ قانون اور عام تعلیم یافتہ حضرات کے لئے ہے۔ اس کا دورانیہ ایک سال ہے اور یہ چوبیس اسباق یا یونٹوں پر مشتمل ہے جن میں فقہ اسلامی کے مختلف پہلوؤں سے بحث کی گئی ہے۔ ہر سبق میں تدریسی مواد کے ساتھ ساتھ مزید مطالعہ کے لئے کتابوں کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔

مطالعہ قانون اسلامی کے اس ابتدائی کورس کے بعد چار دوسرے کورس بھی تیار کرائے جارہے ہیں جو فقہ اسلامی کے مختلف موضوعات پر ہیں۔ ہمارے ان "ایڈوانس کورسز" کی تیاری کا کام جاری ہے اور جلد ہی ہم ان کو بھی شروع کر دیں گے۔

کچھ اس یونٹ کے بارہ میں

"اسلام میں عدل و قضاء کا تصور" سلسلہ مطالعہ اسلامی قانون کا سترہواں یونٹ ہے۔ یہ یونٹ اسلامی نظام عدل سے متعلق ہے۔ بعض حضرات کے نزدیک اسلام کا نظام عدل و قضاء رائج الوقت نظام عدالت سے مختلف نہیں ہے' بلکہ ان کے خیال میں موجودہ مغربی نظام عدالت دراصل اسلامی نظام عدالت ہی کی ترقی یافتہ اور انسٹیٹیوشنل صورت ہے۔ ان حضرات کی رائے میں اس نظام کا مرکزی نقطہ قاضی یا جج ہے جس کے دائرے میں مدعی اور مدعا علیہ آتے ہیں۔ اور یہ کہ مدعی اور مدعاعلیہ میں کوئی وجہ نزاع ہے جسے عدالتی نظام کے مقتضیات کے اندر رہتے ہوئے حل کیا جاتا ہے۔ یہ نقطہ نظر جزوی طور پر درست ہونے کے باوجود اسلامی فقہ کے سطحی مطالعہ پر مبنی ہے۔ بلاشبہ مغربی تصور عدالت اور اسلامی نظام عدل میں کئی امور مشترک ہیں۔ لیکن علوم اسلامیہ پر گہری نظر رکھنے والے اصحاب اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ اسلامی نظام عدل سے مراد محض عدالتی انصاف ہی نہیں ہے' بلکہ یہ نظام عدل ہمہ پہلو ہے اور حصول عدل و انصاف کے لیے عدالتی طریق کار اس سلسلے کی محض ایک لیکن اہم کڑی ہے' ورنہ حقیقی صورت حال تو یہ ہے کہ عدل و احسان اسلامی نظام حیات کی ایک بنیادی اور اساسی صفت ہے۔ اسلام زندگی کے ہر پہلو میں جس عدل و احسان اور جس توازن و اعتدال کا فروغ اور اشاعت چاہتا ہے اس کے لیے اس نے بہت سے وسائل پیدا کیے ہیں جن کے ذریعے خلق خدا عدل سے معمور زندگی گزار سکتی ہے۔

اگرچہ اسلامی نظام عدل کا ہمہ پہلو اور مختصر تعارف کرانا آسان نہیں ہے تاہم موجودہ یونٹ میں کوشش کی گئی ہے کہ اس نظام کا اتنا اجمالی تعارف ضرور کرا دیا جائے جو کسی سنجیدہ قاری کو مزید مطالعہ کے لیے راغب کر سکے۔

یونٹ کی ابتداء میں عدل کے مفہوم' اہمیت اور قضاء کے بارہ میں بنیادی وضاحتیں کی گئی ہیں۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ دوسرے نظام ہائے عدل اور اسلامی نظام عدل میں دو بنیادی خصائص ---خود احتسابی اور تعلق باللہ--- کا فرق ہے جن کے باعث خصومات کی معتدبہ تعداد ابتدائی مراحل ہی میں چھٹ جاتی ہے۔ اس کی بڑی وجہ مسلمان کا ایمان اور عقیدہ ہے جو اسے ہر ہر لمحے اور ہر ہر لحظے میں عدل و انصاف کی طرف مائل رکھتا ہے۔ اس نظری گفتگو کے بعد حصول عدل کے لیے اسلام کے وضع کردہ اداروں کا مختصر تعارف کرایا گیا ہے جس سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ اسلام کا نظام عدل کس قدر متنوع ہے۔ قاضی' اس کے منصب اور اہمیت کی بابت بھی مختصر تذکرہ موجود ہے۔ ایک اہم گفتگو قاضی کی صفات کے بارہ میں بھی شامل اشاعت ہے۔ موضوع کا تعلق فقہ کے ساتھ ساتھ سیاسی و انتظامی مباحث سے بھی ہے' اس لیے خلفائے اسلام کے طرز عمل اور اسلامی سیاسیات کے امام ماوردی کی آراء کے حوالے بھی دیے گئے ہیں۔ ان صفات کا عہد حاضر کے حوالے سے بھی جائزہ لیا گیا ہے۔ اسلامی نظام عدل اور دوسرے عدالتی تصورات میں بنیادی فرق بھی واضح کیے گئے ہیں اور آخر میں حسب معمول مزید مطالعہ کے

کچھ اس یونٹ کے بارہ میں

"اسلام میں عدل و قضاء کا تصور" سلسلہ مطالعہ اسلامی قانون کا سترہواں یونٹ ہے۔ یہ یونٹ اسلامی نظام عدل سے متعلق ہے۔ بعض حضرات کے نزدیک اسلام کا نظام عدل و قضاء رائج الوقت نظام عدالت سے مختلف نہیں ہے' بلکہ ان کے خیال میں موجودہ مغربی نظام عدالت دراصل اسلامی نظام عدالت ہی کی ترقی یافتہ اور انسٹیٹیوشنل صورت ہے۔ ان حضرات کی رائے میں اس نظام کا مرکزی نقطہ قاضی یا جج ہے جس کے دائرے میں مدعی اور مدعا علیہ آتے ہیں۔ اور یہ کہ مدعی اور مدعاعلیہ میں کوئی وجہ نزاع ہے جسے عدالتی نظام کے مقتضیات کے اندر رہتے ہوئے حل کیا جاتا ہے۔ یہ نقطہ نظر جزوی طور پر درست ہونے کے باوجود اسلامی فقہ کے سطحی مطالعہ پر مبنی ہے۔ بلاشبہ مغربی تصور عدالت اور اسلامی نظام عدل میں کئی امور مشترک ہیں۔ لیکن علوم اسلامیہ پر گہری نظر رکھنے والے اصحاب اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ اسلامی نظام عدل سے مراد محض عدالتی انصاف ہی نہیں ہے' بلکہ یہ نظام عدل ہمہ پہلو ہے اور حصول عدل و انصاف کے لیے عدالتی طریق کار اس سلسلے کی محض ایک لیکن اہم کڑی ہے' ورنہ حقیقی صورت حال تو یہ ہے کہ عدل و احسان اسلامی نظام حیات کی ایک بنیادی اور اساسی صفت ہے۔ اسلام زندگی کے ہر پہلو میں جس عدل و احسان اور جس توازن و اعتدال کا فروغ اور اشاعت چاہتا ہے اس کے لیے اس نے بہت سے وسائل پیدا کیے ہیں جن کے ذریعے خلق خدا عدل سے معمور زندگی گزار سکتی ہے۔

اگرچہ اسلامی نظام عدل کا ہمہ پہلو اور مختصر تعارف کرانا آسان نہیں ہے تاہم موجودہ یونٹ میں کوشش کی گئی ہے کہ اس نظام کا اتنا اجمالی تعارف ضرور کرا دیا جائے جو کسی سنجیدہ قاری کو مزید مطالعہ کے لیے راغب کر سکے۔

یونٹ کی ابتداء میں عدل کے مفہوم' اہمیت اور قضاء کے بارہ میں بنیادی وضاحتیں کی گئی ہیں۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ دوسرے نظام ہائے عدل اور اسلامی نظام عدل میں دو بنیادی خصائص ---خود احتسابی اور تعلق باللہ--- کا فرق ہے جن کے باعث خصومات کی معتدبہ تعداد ابتدائی مراحل ہی میں چھٹ جاتی ہے۔ اس کی بڑی وجہ مسلمان کا ایمان اور عقیدہ ہے جو اسے ہر ہر لمحے اور ہر ہر لحظے میں عدل و انصاف کی طرف مائل رکھتا ہے۔ اس نظری گفتگو کے بعد حصول عدل کے لیے اسلام کے وضع کردہ اداروں کا مختصر تعارف کرایا گیا ہے جس سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ اسلام کا نظام عدل کس قدر متنوع ہے۔ قاضی' اس کے منصب اور اہمیت کی بابت بھی مختصر تذکرہ موجود ہے۔ ایک اہم گفتگو قاضی کی صفات کے بارہ میں بھی شامل اشاعت ہے۔ موضوع کا تعلق فقہ کے ساتھ ساتھ سیاسی و انتظامی مباحث سے بھی ہے' اس لیے خلفائے اسلام کے طرز عمل اور اسلامی سیاسیات کے امام ماوردی کی آراء کے حوالے بھی دیے گئے ہیں۔ ان صفات کا عہد حاضر کے حوالے سے بھی جائزہ لیا گیا ہے۔ اسلامی نظام عدل اور دوسرے عدالتی تصورات میں بنیادی فرق بھی واضح کیے گئے ہیں اور آخر میں حسب معمول مزید مطالعہ کے

لیے بعض مفید کتب کی نشاندہی کی گئی ہے۔

نظام تعلیم میں کسی انقلابی تبدیلی کے نہ ہونے کے باعث صنعت و حرفت سے لے کر فکر و فن تک میں وقت کی بالادست سیاسی قوتوں پر انحصار کرنے کا رجحان مسلم معاشروں میں عام ہے۔ سوچ کے سوتے اگر بالکل خشک نہیں تو کم از کم ذہنوں کو مکمل طور پر سیراب کرنے کی صلاحیت سے محروم ضرور ہیں۔ اس لیے ایک اسلام کے تصور عدل و قضاء ہی پر کیا موقوف ہے' اسلام کے تمام تصورات کو عام کرنا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ یہ کام آن واحد میں کرنا موجودہ حالات میں دستیاب وسائل کے ذریعے تو شاید ممکن نہ ہو' اور نہ دستیاب انسانی وسائل اس کے متحمل ہو سکتے ہیں۔ تاہم زیر نظر یونٹ اسی ایک بڑے مقصد کی ایک بہت ہی چھوٹی سی کڑی ہے۔ شاید اسی طرح کی کڑیاں مل جل کر راستہ کھول دیں اور سفر آسان کر دیں۔ بہرحال ہمیں اللہ تعالیٰ سے خیر کی امید کی رکھنی چاہیے۔

اصحاب دانش سے توقع ہے کہ ہماری اس کوشش کا ناقدانہ جائزہ لے کر اپنی آراء سے نوازیں گے تاکہ ہم اپنی کوششوں میں بہتری پیدا کر سکیں۔

ڈاکٹر محمود احمد غازی

ڈائریکٹر جنرل' شریعہ اکیڈمی

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی' اسلام آباد

۶ جمادی الاخر ۱۴۱۸ھ

۹ اکتوبر ۱۹۹۷ء

تمہید

کسی بھی اسلامی غیراسلامی معاشرے کی بقاء کا انحصار اس بات پر ہے کہ اس کے تمام عناصر کے تعلقات اور ربط و ضبط میں توازن اور اعتدال پایا جائے۔ اس اصول سے انحراف کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ معاشرہ فطری اصول توازن سے ہٹ گیا ہے جس کا انجام تباہی و بربادی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ یہ اصول ہر معاشرے، ملک و ملت اور قوم کے لیے ہے۔ اسلامی ریاست کی تشکیل میں بھی یہی اصول ہر قدم پر دیکھا جا سکتا ہے۔ اسی اصول پر عمل کر کے دینوی و مادی ترقی ممکن ہے اور اسی کے ذریعے اخروی فلاح کا حصول ممکن ہو سکتا ہے۔ فطرت کے اس اصول توازن کے تحت کاروبار حیات چلانے کے لیے اسلامی ریاست میں حکومتی سطح پر بعض اداروں کا قیام عمل میں لایا جاتا ہے۔ نظام عدل و قضاء بھی انہی میں سے ایک ہے۔

اس باب میں اسلام کے نظام عدل و قضاء کے بعض اہم گوشے متعارف کرائے جائیں گے جن کے مطالعہ سے اسلامی نظام زندگی میں عدل و قضاء کا مرتبہ و مقام واضح ہو سکتا ہے۔

عدل کا مفہوم

قانون دان حلقوں میں عدل کو بالعموم انصاف کے ہم معنی سمجھ لیا گیا ہے۔ بلاشبہ عدل کے معانی میں "انصاف" کا مفہوم بھی شامل ہے اور بعض مقامات پر عدل سے مراد انصاف بھی ہوتا ہے، لیکن درحقیقت انصاف ہی عدل نہیں بلکہ عدل وسیع مفہوم کی حامل اصطلاح ہے۔ جبکہ لفظ "انصاف" میں عدل کا مکمل مفہوم نہیں ملتا۔ "انصاف" کے معنی کسی شے کو آدھا آدھا کرنا ہے۔ قرآن پاک میں آتا ہے۔

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّهُنَّ وَلَدٌ (نساء، ۴: ۱۲)

اور تمہاری بیویوں نے جو کچھ چھوڑا ہو اس کا آدھا حصہ تمہیں ملے گا اگر وہ بے اولاد ہوں۔

امام راغب اصفہانی کے خیال میں "نصف الشی" سے مراد کسی شے کا آدھا حصہ ہے[۱]۔

بنیادی طور پر یہ لفظ عربی کے تین حروف پر مشتمل ہے جو ن، ص، ف ہیں۔ یہی حروف جب باب افعال کے وزن پر آتے ہیں تو لفظ انصاف بن جاتا ہے۔ قرآن میں ان حروف پر مبنی صرف یہی ایک لفظ "نصف" ہی آتا ہے۔ لفظ "انصاف" قرآن پاک میں کسی جگہ نہیں آیا بلکہ جن معنوں میں ہم اردو والے انصاف کا مفہوم ادا کرتے ہیں ان کے لیے قرآن میں "عدل" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انصاف کو کسی نے بھی فقہی اصطلاح میں شمار نہیں کیا بلکہ یہ مفہوم ادا کرنے کے لیے لفظ "عدل" استعمال کیا جاتا ہے۔ جب قرآن ایک خاص رویے کے

لیے ایک خاص اصطلاح استعمال کرتا ہے تو ضروری ہے کہ اس اصطلاح میں پوشیدہ مفاہیم ہی پر گفتگو کی جائے نہ کہ کسی ایسی دوسری اصطلاح پر جسے عرف عام میں استعمال کیا جاتا ہو۔ عدل کی ترکیب ع' د' ل سے ہے۔ اعتدال بھی اسی سے نکلا ہے جس کا معنی توازن (Balance) ہے۔ معتدل بھی عام استعمال کا لفظ ہے۔ یہ اس شے کے لیے استعمال ہوتا ہے جس میں توازن پایا جائے۔ عادل اس شخص کے لیے استعمال ہوتا ہے جو عدل کرے۔ لفظ عدالت بھی اسی سے نکلا ہے' یہ وہ مقام ہے جہاں عدل کیا جاتا ہے۔ لفظ عدل اور اس خاندان کے الفاظ قرآن میں کئی جگہ آتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ وَالۡاِحۡسَانِ (نحل' ۱۶: ۹۰)

بے شک اللہ عدل و احسان کا حکم دیتا ہے۔

اس آیت میں عدل مروجہ اردو اصطلاح "انصاف" کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ دوسری جگہ مشرکین کے بارے میں اللہ نے فرمایا۔

بَلۡ ہُمۡ قَوۡمٌ یَّعۡدِلُوۡنَ (نمل' ۲۷: ۶۰)

بلکہ یہی راہ راست سے ہٹ کر چلے جا رہے ہیں۔

اس آیت میں یہ لفظ' راہ اعتدال اور اصول توازن چھوڑنے والوں' یعنی مشرکین' کے لیے استعمال ہوا ہے۔

حاصل کلام یہ ہوا کہ انصاف سے مراد کسی شے کو حسابی عمل کے قواعد پر نصف نصف کرنا ہے۔ اور عدل سے مراد متوازن اور معتدل راہ اختیار کرنا ہے۔

عدل کی اہمیت

انسانی زندگی میں باہم اختلاف پیدا ہونا بالکل فطری امر ہے۔ اس اختلاف کو دور کرنے کے لیے اسلام نے نظام عدل وضع کیا ہے جو معاشرے کے تمام عناصر کو اپنے اپنے مقام پر رکھتا ہے۔ اس نظام کا تقاضا ہے کہ ہر سطح پر عدل کا اہتمام کیا جائے' خواہ گفتگو ہی کیوں نہ ہو۔ قرآن میں آتا ہے۔

وَاِذَا قُلۡتُمۡ فَاعۡدِلُوۡا وَلَوۡ کَانَ ذَا قُرۡبٰی (انعام' ۶: ۱۵۲)

اور جب بات کرو تو عدل کے ساتھ خواہ معاملہ اپنے رشتہ دار ہی کا کیوں نہ ہو۔

یہاں عدل' توازن سے حق بات کہنے کے معنی میں آیا ہے۔ دوسری جگہ عدل کا حکم ان الفاظ میں ہے۔

اِعۡدِلُوۡا ہُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰی (مائدہ' ۵: ۸)

عدل کرو جو تقویٰ کے قریب ہے۔

یہاں عدل کا حکم تمام مسلمانوں کے لیے ہے۔ اس لیے اس کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ ہر شخص ہر سطح پر عدل کا اہتمام کرے۔ ان تمام آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ عدل محض کسی مخصوص شعبے کا نام نہیں ہے بلکہ یہ روزمرہ زندگی کے تمام اقوال و افعال میں توازن پیدا کرنے کا نام ہے۔

ایک اور مقام پر قرآنی عبارت کے مفہوم سے معلوم ہوتا ہے کہ عدل، اللہ کا حکم ہے۔ قرآن میں آتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (نحل، ۱۶:۹۰)

بے شک اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔

عدل سے متعلق آیات کی تفاسیر میں مفسرین نے لکھا ہے کہ نظام عدل کا قیام خلیفہ یا امام کے اولین فرائض میں سے ہے۔ اس تصور کی تائید قرآن کی اس آیت سے ہوتی ہے۔

یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَۃً فِی الْاَرْضِ فَاحْکُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ (ص، ۳۸:۲۶)

اے داؤد! ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا ہے لہٰذا تو لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلے کر۔

اس آیت کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ خلیفہ، امام، حاکم وقت، سلطان یا آج کل کی اصطلاح میں صدر اور وزیراعظم کا اولین کام لوگوں کے درمیان درست فیصلے کرنا ہے۔ یہ فیصلے بہت اقسام کے ہو سکتے ہیں۔ لوگوں کے مابین نزاعات پیدا ہونے پر خلیفہ، حق کے ساتھ فیصلہ کرنے کا پابند ہے۔ کلیدی عہدوں پر تقرری کے لیے چناؤ کا مرحلہ آئے تو اہل ترین افراد کے حق میں فیصلہ کرنا ہی عدل ہے۔ مختلف مواقع پر ملک کے لیے کئی راستوں (Options) میں سے بہترین راستے کا انتخاب بھی عدل ہے۔ معاشرے میں مختلف طبقات کے مفادات کے باہم ٹکراؤ کی صورت میں متوازن اور درست فیصلہ کرنا بھی عدل ہے۔ مختصر یہ کہ سربراہ مملکت وہ حتمی ادارہ ہے جو قیام عدل پر مامور ہے۔ وہ حالات کے مطابق خود عدل کرے اور معاملات میں وسعت کے پیش نظر یہ کام بہت سے دوسرے افراد کو بھی تفویض (Delegate) کر سکتا ہے۔

جہاں تک عدل کے لغوی مفہوم کا تعلق ہے تو اس کے لغوی معانی میں ایک مفہوم یوں بھی ہے۔ الحکم بالحق، ضد الجور[۲] یعنی "حق کے ساتھ فیصلہ، ظلم کا متضاد" کسی شے کو اس کے درست مقام پر رکھنا ہی عدل ہے۔ عدالت میں مدعی اور مدعا علیہ کے جائز حقوق کا تعین کر کے انہیں یہ حقوق عطا کر دیئے جاتے ہیں اس لیے عدل کے ساتھ نسبت کی بنا پر اسے عدالت کہتے ہیں۔

قضاء کا مفہوم اور اہمیت

کتب فقہ میں عدل و انصاف کا مفہوم ادا کرنے کے لیے ایک دوسرا لفظ "قضاء" استعمال ہوتا ہے جس کے معنی گفتگو یا عدل کے ذریعے فیصلہ کرنا ہے[۳]۔ قرآن میں آتا ہے۔

وَاللّٰہُ یَقْضِیْ بِالْحَقِّ (مومن، ۴۰:۲۰)

اور اللہ ٹھیک ٹھیک، بے لاگ فیصلہ کرے گا۔

فیصلہ کرنے والا عادل یا قاضی کہلاتا ہے۔ اصطلاح اور کتب فقہ میں عدل و انصاف کا مفہوم ادا کرنے کے لیے لفظ قضاء ہی استعمال ہوتا ہے۔ قانون دان حضرات جن معنوں میں لفظ عادل یا منصف استعمال کرتے ہیں ان کے لیے کتب فقہ میں "قاضی" کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے جو اردو میں معروف ہے۔

لفظ قضاء خالصتاً "عدلیہ" کے لیے ہے اور عدل کی اہمیت ایک اسلامی ریاست ہی میں نہیں، دنیا کے ہر نظام میں مسلم ہے۔ قضاء اسلامی نظام حکومت کا اہم ترین شعبہ ہے جس کا مقصد عدل کا قیام اور فصل الخصومات ہے۔ قضاء کا ایک خاص دائرہ ہے، اس کے اندر رہ کر ہی قاضی عدل کا اہتمام کرتا ہے۔ عدل اشیاء میں توازن قائم کرنے کا نام ہے۔ یہ توازن عدالتی عمل کے ذریعے بھی ممکن ہے اور اس کے علاوہ بھی۔ لیکن قضاء ایک خاص عدالتی عمل (Judicial Process) کا نام ہے جو کسی ادارے کے ذریعے ہی ممکن ہے جسے آج کل عدلیہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے جس میں فریقین کا ہونا ضروری ہے۔

نظام عدل و قضاء کے دو اہم نکات

معاشرتی نظام عدل درست نہ ہو تو پورا معاشرہ ہی غیر متوازن ہو جاتا ہے۔ معاشرہ، اعتدال سے ہٹ کر ہو تو عدالتیں غیر موثر ہو جاتی ہیں۔ ایسے ملک میں بد نظمی اور انتشار ہی ملتا ہے۔ خود نظام عدل کی درستی کا انحصار بہت سے دوسرے عناصر پر ہے۔ محض قاضی کی دیانت، خدا ترسی، معاملہ فہمی اور بصیرت ہی عدل و انصاف کی ضمانت نہیں ہوتی۔ جب تک کچھ دوسرے شعبہ ہائے زندگی اس کی مدد نہ کریں، عادل قاضی فیصلہ تو کر سکتا ہے مگر ممکن ہے وہ فیصلہ عدل سے خالی ہو، کیونکہ قاضی کے فیصلے کا انحصار بہت بڑی حد تک گواہوں کے بیانات پر ہوتا ہے۔ سچی، بروقت اور بے خوف گواہی، مقدمے کا ایک اہم عنصر ہے، اس کے بغیر عدل کا تصور ہی محال ہے۔ قاضی کا ایمان، علم، بصیرت، تقویٰ اور حواس اس کے مددگار ہیں۔ ان میں کمی یا ضعف آ جائے تو اس کا اثر فیصلہ پر پڑتا ہے۔ علم بھی دو قسم کا ہے، ایک وہ علم جو منصب قضاء کا لازمہ ہے جس کے بغیر وہ اس کام پر مامور ہی نہیں ہو

سکتا۔ دوسرا وہ علم ہے جو فریقین مقدمے کے بارے میں اسے مہیا کرتے ہیں' تعاون نہ کریں' لیت و لعل سے کام لیں' گواہ گواہی دینے سے کترائیں یا غلط گواہی دیں تو قاضی بے بس اور مجبور ہو جاتا ہے جس کے اثرات فیصلے پر پڑتے ہیں۔ اس لیے نظام عدل کو سمجھنے کے لیے مندرجہ ذیل دو نکات کی تفہیم ضروری ہے۔

۱۔ خود احتسابی

کسی معاملہ سے دو افراد مختلف نتائج نکالتے ہیں جو ان کی معاملہ فہمی اور نیک نیتی کی وجہ سے بھی ممکن ہوتے ہیں لیکن ان میں سے درست ایک ہی ہو سکتا ہے۔ اس کا تعین کرنے کے لیے محکمہ قضاء وجود میں آتا ہے۔ جو افراد کے تنازعات طے کرنے کے لیے آخری چارہ کار ہے' ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ تنازعات کی بہت بڑی تعداد انسان خود مل جل کر طے کر سکتے ہیں۔ انسانی عقل ہی انسان کو بتا دیتی ہے کہ کسی معاملہ میں درست رائے کیا ہو سکتی ہے۔ مہذب' معاملہ فہم اور عادل معاشرے کے افراد بھی اس معاشرے ہی کی طرح ہوتے ہیں۔ مہذب ملکوں میں تنازعات کی بہت بڑی تعداد محض خط و کتابت کے ذریعے ختم ہو جاتی ہے۔ ایک تجارتی ادارہ کسی جہاز راں ادارے کے بروقت مال نہ پہنچانے کی وجہ سے نقصان اٹھائے تو وہ اسے صرف ایک خط کے ذریعے اطلاع دے دیتا ہے کہ معاہدہ کے مطابق آپ کو یوں کرنا چاہیے تھا جو آپ نہ کر سکے' اس کا ہمیں یہ نقصان ہوا جس کی تلافی کر دیجئے ورنہ عدالت کے ذریعے تلافی کرنا پڑے گی' مقدمہ کے اخراجات بھی دینا پڑیں گے۔ یوں معاملہ ابتدا ہی میں حل ہو جاتا ہے۔ یہ نہ ہو سکے تو تجارتی ادارہ اپنے وکیل کے ذریعے جہاز راں ادارے کو نوٹس دیتا ہے' تب دونوں کے وکیل باہم مل کر تصفیہ کر لیتے ہیں۔ یوں مقدمات کی بہت بڑی تعداد آپس کے درست رویوں کی وجہ سے ختم ہو جاتی ہے۔ پھر بھی معاہدے کی کسی شق کی تعبیر میں اختلاف ہو تو آخری چارہ کار کے طور پر عدالت کا دروازہ دونوں کے لیے کھلا ہے' دونوں فریق اپنی تمام کوشش' نیک نیتی اور معاملہ فہمی کے باوجود نزاع دور نہ کر سکیں تو پھر عدالت کی مداخلت ضروری ہو جاتی ہے جو متاثرہ فریق کو اس کا حق دلاتی ہے۔

غیر متوازن معاشرے میں عدالتیں بے بس ہوتی ہیں۔ شوہر بیوی کو طلاق دیتا ہے لیکن مہر ادا کرنے سے انکار کر دیتا ہے کیونکہ شادی کے وقت دونوں کے خاندانوں نے بہت سے معاملات میں غیر متوازن رویہ اپنایا تھا۔ لڑکی والوں نے لڑکے کی استطاعت سے بڑھ کر مہر لکھوایا تاکہ ادا کرنے کی طاقت نہ رکھنے کی وجہ سے لڑکا کسی وقت طلاق نہ دے سکے باوجودیکہ کہ طلاق ناگزیر ہو جائے۔ اور طلاق دے تو لڑکی کو بڑی مالیت کا مہر ملنے کا امکان پیدا ہو جائے۔ ادھر شوہر کی نیت شروع ہی سے مہر نہ دینے کی تھی۔ اس لیے اس نے بلا تامل بڑی مقدار کی رقم لکھ دی

تاکہ نباہ ہو جائے' تو اس نے کون سا مہر دینا ہے اور طلاق کی صورت میں بے شمار عذر نکالے جا سکتے ہیں۔ یہاں عدالت طویل' بے مقصد اور جاں گسل عمل کے ذریعے عورت کو مہر دلا بھی دے تو اس عرصے میں مہر کی اصل رقم سے زیادہ اخراجات مقدمہ پر اٹھ جاتے ہیں جس کی ذمہ دار عدالت نہیں' نظام ہے۔ یہ کیفیت غیر متوازن معاشرے میں پیش آتی ہے جہاں بالاخر فریقین اپنے غیر متوازن رویے کی وجہ سے معاشرتی نظام کو خراب کر کے مسائل پیدا کرتے ہیں۔

۲۔ گواہی اور تعلق باللہ

نظام عدل و قضاء کے ذریعے حاصل ہونے والا دوسرا اہم مقصد یہ ہے کہ فریقین کے حقوق واضح کیے جائیں جو شروع ہی میں واضح ہوتے ہیں لیکن فریق مخالف کی ہٹ دھرمی' ضد' بدنیتی اور کج فکری کی وجہ سے فریقین معاملہ طے نہیں کر سکتے۔ یہاں فیصلے کا انحصار بڑی حد تک گواہوں پر ہوتا ہے۔

ایک دفعہ دو آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مقدمہ لے کر آئے جس کا تعلق وراثت سے تھا۔ آپؐ نے فرمایا دیکھو! میں بھی تمہاری طرح بشر ہوں' ممکن ہے تم میں سے کوئی اپنی چرب زبانی کی وجہ سے اپنے حق میں وہ دلائل دے جو دوسرا نہ دے سکے تو یاد رکھو میں نے تو دلائل کے مطابق فیصلہ کرنا ہے' اس لیے آگاہ رہو کہ میرے اس فیصلے کی وجہ سے تم میں کوئی اپنے (مسلمان) بھائی کی جائیداد ناجائز طور پر حاصل کر لیتا ہے تو فی الحقیقت اپنے لیے آگ کا ٹکڑا حاصل کرتا ہے اور قیامت کے دن یہی آگ کا ٹکڑا اس کے گلے میں اسے پھکنی سے زیادہ دھکا رہا ہو گا۔ یہ گفتگو سن کر دونوں اصحابی اپنا مقدمہ بھول کر رونے لگے' دونوں نے کہا کہ میں اپنے حق سے دستبردار ہو کر اسے اپنے بھائی (فریق مخالف) کو بخشتا ہوں۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جاؤ جائیداد کو شریعت اور عدل کے مطابق اس طرح تقسیم کرو کہ ہر ایک دوسرے کے ساتھ درست اور جائز معاملہ کرے[۴]۔

اس حدیث سے ایک نکتہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مقدمات کی سماعت سے قبل قاضی' فریقین کو مناسب زبان اور انداز میں خوف خدا یاد دلائے' روز آخرت کی یاد دلائے۔ بلکہ بہترین طریقہ یہ ہے کہ یہی حدیث موثر پیرائے میں بیان کرے اور نتائج اللہ پر چھوڑ دے۔ یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ ہر دو قسم کے مقدمات میں درست فیصلے کا انحصار جہاں ایک طرف قاضی کے رویے پر ہے' وہیں فریقین کے اپنے ضمیر و ایمان پر بھی ہے۔ عدل و انصاف' نیک نیتی پر مبنی اختلاف رائے یا فریقین کے غلط رویے لیکن درست شواہد کے ساتھ ہی ممکن ہے۔

حصول عدل کے لیے چند ادارے

اسلامی تصور عدل و قضاء کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ عدل قائم کرنے کے لیے اسلام نے ایک سے زائد ادارے وضع کیے ہیں۔ یہ ادارے مختلف النوع ہیں لیکن ان کے قیام کا مقصد ایک ہی ہے۔ یعنی رعایا کو بروقت اور بلامعاوضہ عدل و انصاف کی فراہمی' اور معاشرے میں توازن پیدا کرنا اور اسے قائم رکھنا۔ یہ مقصد حاصل کرنے کے لیے عدالتی نظام --- محکمہ قضاء --- اس سلسلے کی آخری کڑی ہے۔ اس سے قبل کئی ایسے مراحل ہیں جن کے ذریعے معاشرے میں ظاہر ہونے والے مقدمات کی معتدبہ تعداد ریاستی مداخلت کے بغیر یا نسبتاً سہل انداز میں کم ہو جاتی ہے۔ عدالت تک پہنچنے والے مقدمات وہی رہ جاتے ہیں جو فی الواقع عدالتی عمل سے گزرنے کے لائق ہوں۔ ان اداروں کا مختصر تعارف یوں ہے۔

۱۔ ادارہ افتاء

کتب فقہ میں ترتیب کے لحاظ سے پہلا موضوع ایمانیات ہے۔ انسانی زندگی میں سب سے اہم چیز ایمان ہے۔ ایمان مضبوط ہو تو زندگی متوازن رہتی ہے۔ عدل قائم کرنے کے لیے اسلام پہلے ایمانیات سے متعلق وسائل استعمال کرتا ہے جس کے لیے ادارہ افتاء قائم ہوا۔ اس ادارے کے ذریعے اسلامی معاشرے کے بہت سے نزاعات مفتی کی رائے ہی سے طے ہو جاتے ہیں۔ نہ کسی عدالتی فیس کی ضرورت پڑتی ہے اور نہ وکیل کی' نہ وقت کا ضیاع ہوتا ہے۔ لوگ اپنے مقدمات پوری دیانت داری سے مفتی کے سامنے بیان کرتے ہیں۔ جنہیں سن کر مفتی قرآن و سنت' آثار اور فقہاء کی آراء کی روشنی میں اپنی رائے دیتا ہے۔ لوگ یہ رائے قبول کرتے ہیں۔ آج بھی غیر سرکاری سطح پر دینی مدارس نے اپنے اپنے دارالافتاء قائم کر رکھے ہیں جو لوگوں کے رجوع کرنے پر رائے دیتے ہیں۔ یہ ادارے اس کام کی کوئی اجرت نہیں لیتے۔ افتاء کا ادارہ فوری' سہل اور بلامعاوضہ انصاف فراہم کرنے کے لیے بہت اہم ہے۔ دنیا کا کوئی دوسرا نظام قانون' افتاء کے مقابل کوئی ادارہ نہیں رکھتا۔ ذرا تصور کیجئے کہ اس گئی گزری حالت میں بھی علماء کے قائم کردہ اس بظاہر معمولی سے ادارے نے ریاستی تنظیم کا کس قدر بوجھ اٹھا رکھا ہے۔

۲۔ تحکیم

تحکیم سے مراد ثالث مقرر کرنا ہے۔ ثالث تیسرے کو کہتے ہیں۔ دونوں فریق مقدمہ کا معاملہ طے کرانے کے لیے تیسرا شخص مقرر کرنا تحکیم کہلاتا ہے۔ تحکیم کی شرعی صورت تو وہی ہے جو زوجین میں سے نزاع دور کرنے کے لیے قرآن میں مذکور ہے کہ میاں بیوی دونوں کی جانب سے ایک ایک حکم (ثالث) مقرر کیا جائے جو زوجین میں

سے نزاع دور کریں۔ اس طرح دونوں فریقوں کو ایک ایک حکم مقرر کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ فریقین صرف ایک شخص پر متفق ہو جائیں تو یہ بھی درست ہے۔ حکم بننے کے لیے اسلام، حریت، عقل اور بلوغ شرط ہیں۔ حکم خود فریق مقدمہ ہو تو تحکیم درست نہیں۔ کسی فاسق کی تحکیم بھی درست نہیں ہے۔ تحکیم روزمرہ کے عام معاملات ہی میں جائز ہے اس لیے حکم کا مفتی، قاضی یا مجتہد ہونا شرط نہیں۔ حدود و قصاص میں تحکیم جائز نہیں بہت سے فوجداری مقدمات بھی تحکیم کے دائرے سے باہر ہیں۔ تحکیم کا تعلق اخلاقیات سے ہے۔ حکم مقدمہ کا فیصلہ اخلاقی دباؤ کے ذریعے نافذ کراتا ہے۔ مقامی عرف اور رسم و رواج کے ذریعے بھی تحکیم کے ادارے میں حک و اضافہ ممکن ہے۔ یہ ادارہ بھی نزاعات کے بڑے تناسب کو کم کرتا ہے۔

۳۔ ولایت مظالم

ولایت مظالم کا تصور بڑی حد تک آج کل کی اصطلاح میں کھلی کچہری کے قریب ہے۔ اس کا مقصد ظلم و جور کرنے والے فریق کو زبردستی عدالت میں لا کر تصفیہ کرانا ہے۔ یہ ادارہ نیم انتظامی اور نیم عدالتی ہے۔ انتظامی اس لیے کہ فیصلہ کرنے والا شخص بالعموم منصف کی بجائے حاکم ہوتا ہے اور عدالتی اس لیے کہ ذمہ داری ادا کرتے وقت وہ عدلیہ کے فرائض سرانجام دیتا ہے۔

تاریخ اسلام میں خلفاء و حکام لوگوں کی دادرسی کے لیے لوگوں سے ملنے کے لیے ایک دن مختص کرتے تھے۔ کام میں وسعت ہوتی گئی تو مقامی حاکم (Deputy Commissioner) بھی اس عمل مین شامل ہوتا گیا۔

تاریخی ارتقاء کے بعد اس ادارے نے جو ہیئت اختیار کی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ادارہ عوام پر سرکاری ملازمین کی زیادتیوں کے ازالے کے لیے ہے۔ ظالم، مرتشی اور بدعنوان ملازم کے بارے میں حاکم کو اطلاع دے کر انصاف طلب کرنا رعایا کا حق ہے۔ اسی حق کے حصول کے لیے یہ ادارہ اسلامی تصور عدل کی عکاسی کرتا ہے۔ آج کل کے دور میں ولایت مظالم کا احیاء ہو جائے تو نہ صرف عوام کی مشکلات میں کمی ہو سکتی ہے بلکہ عدالتوں میں مقدمات بھی بے حد کم ہو سکتے ہیں۔ ضلع کا ڈپٹی کمشنر، تحصیل کا اسسٹنٹ کمشنر، ہر ادارے کا سربراہ اپنے علاقے اور ادارے کے مسائل سے باخبر رہنے کے لیے صرف ایک دن لوگوں کی شکایات سننے کے لیے مختص کر دے تو مخلوق خدا نسبتاً سہل زندگی بسر کر سکتی ہے۔ اس کام کے لیے نہ کسی دستوری تبدیلی کی ضرورت ہے اور نہ کسی قانون کی منظوری۔ ہر مقامی حاکم یہ کام آج سے شروع کر سکتا ہے۔

۴۔ حسبہ یا نظام احتساب

یہ بھی ایک نیم عدالتی اور نیم انتظامی ادارہ ہے جو لوگوں کی داد رسی کے لیے از خود موقع پر پہنچ کر عدل قائم کرتا ہے۔ اس ادارے کے قیام کا بنیادی مقصد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ اسلامی معاشرت قائم کرنے اور اخلاق عامہ کی حفاظت کے لیے یہ ادارہ بہت اہم ہے جس پر الگ سے ایک باب رقم کیا گیا ہے۔ اس کے بارے میں تفصیل "اسلام کا نظام احتساب" میں اور اس باب کے آخر میں دی گئی کتب میں دیکھی جا سکتی ہے۔

۵۔ محکمہ قضاء

یہ سب سے آخری ادارہ ہے جہاں سے لوگ آخرکار عدل حاصل کر سکتے ہیں آئندہ سطور میں اس ادارے کے بارے میں قدرے تفصیلی احکام پیش کیے جا رہے ہیں۔

قاضی کا منصب، اہمیت اور نزاکت

جدید دور میں بے روزگاری بڑھ جانے، دنیاداری عام ہونے، خشیت الٰہی کے اٹھ جانے اور دوسرے بہت سے عوامل کے باعث جونہی سول جج کی خالی اسامیاں مشتہر کی جاتی ہیں، امیدواروں کی درخواستوں کا ایک سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ جس میں حصول روزگار، بہتر مستقبل اور تابناک زندگی ہی کی غرض پیش نظر ہوتی ہے۔ لیکن جو شخص اسلامی تعلیمات کو کما حقہ سمجھنے کا اہل ہو، حقوق اللہ اور حقوق العباد کے تصورات سے آشنا ہو، احکام الٰہی کی روح کو سمجھتا ہو، سنت رسول ﷺ سے واقف ہو، اور قضاء کے منصب سے مکمل طور پر واقف ہو، سول جج کے عہدے کے لیے درخواست دینے کی بجائے دنیا کے کسی بھی دوسرے کام کو بطور پیشہ اختیار کرے گا لیکن منصب قضاء کے لیے خود کو پیش نہیں کرے گا۔ کیونکہ قضاء کا منصب اس قدر نازک اور اہم ہے کہ اس کے لیے حدیث میں یہ الفاظ آتے ہیں۔

من ولی القضا فقد ذبح بغیر سکین [۵]

جس کو منصب قضا پر فائز کیا گیا وہ گویا بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا۔

ذرا تصور کیجئے ایک تو ذبح ہونا پھر ذبح ہونے کے لیے چھری بھی استعمال نہ ہو، منصب قضاء کی حقیقت جاننے کے لیے یہ حدیث ہمیں ایک دوسری دنیا میں لے جاتی ہے۔ قضاء کا عمل بظاہر انسانی ارادے اور اختیار پر ہے۔ فیصلوں کی بہت بڑی تعداد میں کسی منضبط سے منضبط عمل کے ذریعے بھی انہیں جانچنے کا کوئی مقیاس نہیں ہوتا۔ لیکن فی الاصل یہ حسابی عمل ہے جس کے حصول میں بے پناہ بصیرت، اعلیٰ درجے کی دانائی اور غایت درجے کا تقویٰ

درکار ہے۔ کسی ضرب، تقسیم کے عمل میں ایک ادنیٰ سے ادنیٰ ہندسے کو ہٹا کر ضرب تقسیم کی جائے تو جواب حیران کن حد تک مختلف آتا ہے جس کا حقیقت سے دور دور تک واسطہ نہیں ہوتا۔ قضاء بھی اسی طرح کی ذمہ داری ہے۔ اس میں ذرا سی کوتاہی یا بدنیتی کے باعث غلط فیصلے کے ذریعے فرد کی زندگی پر پڑنے والے اثرات، خاندانوں اور قبیلوں کی تاریخ تک تبدیل کر دیتے ہیں۔ اور قومی سطح کے فیصلے تو اس سے کہیں زیادہ باریک بینی کا تقاضا کرتے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلوں کی یہ اہمیت و نزاکت ان الفاظ میں بیان فرمائی۔

یدعی القاضی العدل یوم القیامہ، فیلقی من شدہ الحساب مایتمنی بہ انہ لم یقض بین اثنین فی تمرہ قط[۶]

قیامت کے روز عادل قاضی کو بلایا جائے گا۔ اسے اس قدر شدید محاسبہ کا سامنا کرنا پڑے گا کہ وہ تمنا کرے گا کہ کاش اس نے کبھی دو آدمیوں کے درمیان ایک کھجور کا فیصلہ بھی نہ کیا ہوتا۔

غور کیجئے، یہاں عادل قاضی کا ذکر ہو رہا ہے جو زندگی بھر لوگوں میں اپنے عدل و انصاف کی وجہ سے مشہور رہا ہو۔ رہا وہ قاضی جس کی شہرت ظالم، بدعنوان اور مرتشی کے طور پر رہی ہو، اس کا نہ یہاں ذکر ہے اور نہ اس کے بارے میں کچھ کہنے کی ضرورت ہے۔ اس حدیث میں جو فرمان نبوی ﷺ ہے اس سے منصب قضاء کے بارے میں از حد باریک بینی کی ضرورت کا احساس دلایا جا رہا ہے۔ ایک دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بصیرت، دانائی اور اہلیت کے اعتبار سے تین قسم کے قاضی ہیں۔ ان میں سے ایک قاضی جنت میں اور باقی دو جہنم میں داخل کیے جائیں گے۔ حدیث کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان قاضیوں کی تقسیم یوں ہو گی۔

جنت میں جانے والا: جس کو حق کی مکمل معرفت حاصل ہو اور اس نے پورے علم و یقین کے بعد فیصلے کیے ہوں تو یہ جنت میں جانے والا قاضی ہے۔

جہنم میں جانے والے قاضی: جس کو حق کی معرفت تو ہو لیکن اس نے فیصلے میں ظلم کیا ہو۔ اس طرح وہ قاضی بھی جہنمی ہو گا جو جہالت اور لاعلمی کے باعث لوگوں میں فیصلے کرتا رہا۔

یہاں تک بیان کی جانے والی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ منصب قضاء بہت ذمہ داری کا تقاضا کرتا ہے۔ دنیا میں قاضی کا جو محاسبہ ہوتا ہے، سو ہوتا ہے، آخرت میں بھی عادل قاضی کا اعمال نامہ بڑی باریک بینی سے جانچا اور پرکھا جائے گا۔ دوسری طرف محکمہ عدل و قضاء اسلامی ریاست کے اعضاء رئیسہ میں سے ایک ہے جس کے بغیر ملک کا کاروبار چلانا محال ہے۔ تو پھر وہ نقطۂ اعتدال کیا ہے کہ جس سے منصب قضاء کے لوازم بھی پورے کیے

جائیں، اشخاص ان مناصب پر مامور بھی کئے جا سکیں اور کاروبار زندگی بھی چلتا رہے۔ اس کا جواب کچھ مشکل نہیں ہے۔ اسلامی تعلیمات دراصل یہ بتانا چاہتی ہیں کہ اس کام کی اہمیت کے پیش نظر قاضی کا انتخاب درست ترین طریقے سے ہو۔ وہ درست فیصلے کرے، حق دار کو بروقت حق مل جائے۔ ہر لالچی، حریص اور دنیادار اس کے لیے کوشاں نہ ہو۔ یوں معاشرے میں اعتدال رہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو ایک عام حکم کے ذریعے تمام مناصب طلب کرنے سے گریز کی تعلیم یوں دی گئی۔

لاتسال الامارۃ، فانک ان اوتیتھا عن مسائلہ وکلت الیھا، و ان اوتیتھا عن غیر مسئلۃ اعنت علیھا[۸]۔

اپنے لیے منصب مت طلب کرنا، اگر تمہاری طلب اور کوشش سے تمہیں منصب دیا گیا تو تم اس کے حوالے کر دیئے جاؤ گے لیکن اگر تم کو بغیر کوشش اور طلب کے یہ منصب اور عہدہ دیا گیا تو اس کی انجام دہی کے لیے تمہاری مدد کی جائے گی۔

ان تمام احادیث کے مجموعی مطالعہ سے یہ نتیجہ بر آمد ہوتا ہے کہ کسی بھی عہدے پر تقرری کا اختیار ریاست کو تفویض کر دیا گیا ہے۔ وہی اہل ترین لوگوں میں سے قاضی کا چناؤ کرے گی، وہی ان کو اختیارات سونپے گی، وہی عہدے داروں کی اہلیت کے مطابق انہیں ترقی کے مناصب عطا کرے گی۔ رہا فرد! تو وہ عہدے کے لیے کوشش نہ کرے۔ ایسا کرنے والا اپنے اعمال کا خود جواب دہ ہے۔ اللہ کا دست شفقت اس سے اٹھا لیا جاتا ہے۔ ترمذی کی ایک حدیث میں آتا ہے کہ عہدہ قضاء طلب کرنے والے کو اللہ اس کے حال پر چھوڑ دیتا ہے۔ البتہ جسے یہ منصب قبول کرنے پر مجبور کیا جائے اس پر اللہ ایک فرشتہ مامور کر دیتا ہے جو ہر موقع پر اس کی راہ نمائی کرتا ہے۔

یہ ساری سخت تاکیدات اس منصب کو بطور پیشہ اختیار کرنے کے خواہش مند افراد کو تنبیہ کی غرض سے کی گئی ہیں۔ ان کا ایک مقصود یہ بھی ہے کہ حکومت اور اصحاب اختیار پر بھی اس کی اہمیت روشن ہو تاکہ وہ اس کی نزاکت کے پیش نظر موزوں ترین اصحاب کا انتخاب کریں۔ ان کا ایک مقصد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قاضی اس کام کو کھیل نہ سمجھ لے بلکہ اس کے اعصاب ہر وقت تنے رہیں اور فیصلہ کرنے سے قبل وہ مقدمے کے تمام اہم نکات پر غور کرے۔

دوسری طرف یہی منصب قضاء از حد پسندیدہ، باوقار، تمکنت سے معمور اور بہت سے فضائل کا حامل بھی ہے۔ یہ منصب اللہ کا پسندیدہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ترمذی کی مذکورہ حدیث کے مطابق جسے منصب قضاء دیا جائے

اس پر اللہ ایک فرشتہ بھی مامور کرتا ہے جو قاضی کی مدد کرتا ہے۔ حدیث ہی سے پتہ چلتا ہے کہ تین طرح کے قاضیوں میں سے صاحب علم اور عادل قاضی جنت میں جائے گا۔ ایک اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چار غلام آزاد کرنے کے مقابلے میں قاضی کی نشست پر بیٹھنا زیادہ پسند فرمایا[9]۔ اس سے قاضی کے مرتبہ اور احترام کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے نزدیک قاضی کی صفات

یوں تو احادیث نبویؐ اور صحابہؓ کے اقوال سے قاضی کی تقرری کی شرائط جا بجا ملتی ہیں لیکن خلاصہ کے طور پر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا یہ قول ان میں سے بہت سی شرائط کا احاطہ کرتا ہے۔ ان کے خیال میں قاضی میں مندرجہ ذیل خصوصیات کا پایا جانا ضروری ہے ان میں سے ایک بھی کم ہو تو قضاء کا عمل متاثر ہوتا ہے[10]۔

۱۔ سابقہ فیصلوں سے باخبر ہو۔

یہ شرط اس دور کی ہے جب سابقہ فیصلوں سے مراد رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کے فیصلے تھے۔ انہی فیصلوں کی روشنی میں قاضی فیصلے سناتے تھے۔ عہد جدید میں اس شرط کی نئی تعبیر کی ضرورت یقیناً موجود ہے۔ کیونکہ سابقہ فیصلوں کا حجم بہت بڑھ چکا ہے۔ لیکن اس شرط کے وجود سے انکار ممکن نہیں کیونکہ اعلیٰ عدالتوں کے فیصلے ماتحت عدالتوں کے لیے مشعل راہ ہوتے ہیں۔

۲۔ اہل علم سے مشورہ کرتا ہو

وکلاء کی حیثیت اس حوالے سے آج کل اہل علم ہی کی ہے جن سے عدالتیں مشورہ کرتی ہیں۔ لیکن وکلاء کی خدمات کی بہم رسانی کے طریقہ میں تبدیلی کی ضرورت ہے تاکہ اس کا بار فریقین پر نہ پڑے' تاوقتیکہ وہ خود اس پر رضامند نہ ہوں۔ وکلاء کے علاوہ مفتیان کرام سے بھی عدالتیں مشورہ کرتی ہیں۔ ڈاکٹر' ماہرین تحریر اور دوسرے ماہرین فن بھی اس ذیل میں آتے ہیں۔

۳۔ لالچی اور حریص نہ ہو

اسلامی نظام عدل میں یہ شرط پوری کرنے کے لیے دو ذرائع استعمال ہوتے ہیں۔ اول تو افراد کے انتخاب ہی میں یہ شرط سامنے رکھی جاتی ہے کہ کوئی ایسا شخص منتخب نہ ہو۔ اس کے بعد بشری کمزوریوں سے قاضی کو بچانے کے لیے اس کا مشاہرہ اتنا کافی ہوتا ہے کہ اس کی تمام ضروریات اسی سے بخوبی پوری ہو جاتی ہیں۔

۴۔ حلم

یہ ذاتی اور وہبی خوبی ہے جو اللہ کی طرف سے بعض افراد کو ودیعت کی جاتی ہے۔ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ منصب قضاء پر فائز کیے جانے والے افراد میں یہ خوبی تلاش کرے۔

۵۔ تحمل

تحمل سے مراد یہ ہے کہ مقدمہ کے دوران میں کسی تنقید اور ملامت کی پرواہ نہ کرے۔ کوئی کچھ کہہ بھی دے تو اس کا بالکل اثر نہ لے اور فیصلہ وہی کرے جو حق کے مطابق ہو۔ تحمل سے مراد یہ بھی ہے کہ ماحول، موسم اور حالات کا اثر قاضی پر مطلقاً" نہ پڑے۔

ماوردی کے نزدیک قاضی کی صفات

ان شرائط میں فقہاء اور علمائے سیاسیات نے بڑے مفید اضافے کیے۔ بعد میں آنے والے علماء و فقہاء نے جو شرائط عائد کیں وہ بھی اسلامی تعلیمات کے مطابق تھیں جو انھوں نے اپنے حالات کے مطابق وضع کیں تھیں۔ اسلامی سیاسیات کے امام، ماوردی نے قاضی میں مندرجہ ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری قرار دیا ہے"۔

۱۔ بالغ مرد ہو

وہ شخص جو سن بلوغ کو پہنچ چکا ہو قاضی مقرر کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ مرد ہو۔ عورتوں کو منصب قضاء تفویض کرنے کے بارے میں تفصیل کی ضرورت ہے۔ مختصراً یہ کہہ دینا کافی ہے کہ حدود اور قصاص کے مقدمات کو چھوڑ کر عورت ہر معاملہ میں فیصلہ دے سکتی ہے۔ یہ امام ابو حنیفہ کی رائے ہے۔ لیکن یہ رائے بھی ایک خاص ماحول کی عکاس ہے۔ اصولی طور پر عورت نماز باجماعت کے لیے مسجد میں جا سکتی ہے اور رسول اللہ ﷺ کے دور میں جاتی بھی رہی۔ لیکن ماحول میں ذرا تبدیلی آئی تو خلفائے راشدین کے دور میں عورتوں کا مسجد میں جانا موقوف کر دیا گیا۔ اسی طرح عورتوں کو مختلف مناصب تفویض کرنا اصولی لحاظ سے تو شاید درست ہو لیکن امر واقعہ کے طور پر یہ بڑی نزاکت کا کام ہے جس پر آج کل بہت غور و خوض کی ضرورت ہے۔ ماحول اور معاشرے میں اس قدر فساد پھیل چکا ہے کہ عورتوں کو اس بھاری ذمہ داری سے الگ ہی رکھا جائے تو یہ خود عورتوں کے حق میں بہتر ہے جو افراد اور تنظیمیں اسے عورتوں کے "حقوق" سے مربوط کرتے ہیں وہ اسلامی تعلیمات کو اپنی جزئیات کے ساتھ پڑھیں۔ کیونکہ خشیت الٰہی کے جذبے سے معمور ہو کر اور آج کل کے حالات کو ذہن میں رکھ کر منصب قضاء کے بارے میں بیان

کردہ احادیث دوبارہ پڑھی جائیں تو یہ حق یا استحقاق سے زیادہ طوق معلوم ہو گا۔ جرم کا حجم اس قدر پھیل چکا ہے کہ صالح عنصر دن بدن سکڑ رہا ہے۔ مرد ججوں کو سرعام گولی مار دی جاتی ہے' دھمکیاں دی جاتی ہیں' فیصلوں پر مختلف ذرائع سے اثر ڈالا جاتا ہے۔ ایسے میں عورت کو کوئی دوسرا منصب' جو اس کے حسب حال ہو' دے دیا جائے تو یہ خود عورت کے حق میں بہتر ہے۔ حقوق کا غلغلہ مچانے والے ذرا غور کریں تو شاید اس زہر ہلا ہل کے قریب بھی نہ پھٹکیں جسے جدید تشہیری تکنیک سے متاثر ہو کر وہ قند سمجھے بیٹھے ہیں۔

۲۔ ہوشیار' سمجھدار' دوراندیش اور غفلت اور بھولنے کے مرض سے محفوظ ہو

یہ ساری صفات خداداد ہیں۔ اہل افراد میں سے ان خوبیوں کا تلاش کرنا دشوار نہیں ہے۔ مقابلہ کے امتحان میں اعلیٰ خوبیوں کے حامل افراد' اہل امیدواروں کا انتخاب کرتے ہیں۔ ہر منصب کے لیے پہلے سے طے شدہ کچھ راہ نما اصول سامنے رکھے جاتے ہیں۔ تمام امیدواروں کو اس چھلنی سے گزارا جاتا ہے۔ اہل امیدوار سامنے آ جاتے ہیں۔ اعلیٰ فوجی ملازمتوں کے لیے فوجی قیادت نے کیا کچھ نہیں کر رکھا۔ اس لیے منصب قضاء کے لیے ان مطلوبہ خوبیوں کے حامل افراد کی چھان پھٹک کے لیے اعلیٰ معیار کا کوئی نہ کوئی ادارہ لازماً" ہونا چاہیے۔ جو ہر سطح پر منصب قضاء کے لیے اہل ترین افراد کا انتخاب کرے۔ فی الوقت تو عدلیہ میں تقرریوں کے لیے نچلی سطح پر ایک ڈھیلا ڈھالا نظام ہے جس کا فوجی طریق انتخاب سے موازنہ کرنا درست نہیں ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ مندرجہ بالا خوبیوں کے حامل افراد کا انتخاب جدید علوم کے ماہرین سے مشاورت کرنے کے بعد ہی کیا جائے جیسا کہ فوجی قیادت کرتی ہے۔

۳۔ اسلام

یہ شرط وہاں عائد ہوتی ہے جہاں فریقین مسلمان ہوں۔ غیر مسلموں کے لیے ان ہی میں سے قاضی مقرر کیا جا سکتا ہے۔ یہ رائے امام ابو حنیفہ کی ہے۔ ماوردی کی رائے میں اسلامی ریاست میں غیر مسلم قاضی بن ہی نہیں سکتا۔ ان کا خیال ہے کہ غیر مسلموں کے مقدمات کے لیے اکثر سلاطین نے انہی میں سے سردار (حاکم) مقرر کر رکھے تھے جنہیں قاضی کا ہم منصب سمجھ لیا گیا ہے۔ یہ حاکم یا سردار غیر مسلموں کے مابین فیصلے کرنے کے مجاز تھے لیکن اگر کوئی ان کے فیصلوں کو تسلیم نہ کرتا تو مقدمہ مسلم قاضی کی عدالت میں آ جاتا تھا۔ کیونکہ قوت تنفیذ اسی کے پاس ہوتی تھی۔ لہٰذا اس صورت میں شریعت(Law of the Land) کا فیصلہ نافذ ہوتا تھا۔ یہ رائے زیادہ وقیع معلوم ہوتی ہے کیونکہ جب فریقین میں سے کوئی ایک خود اپنے دین دھرم سے ہٹ کر شریعت کے فیصلے قبول کرنے پر آمادہ ہے تو

اسے یہ حق ملنا چاہیے کہ مملکت کے قانون کے تحت زندگی گزارے۔ یہ اصول کوئی نرالا نہیں ہے۔ ممکن ہے آج کل اسے "انسانی حقوق" کے منافی قرار دیا جائے لیکن دنیا بھر میں یہی قاعدہ ہے کہ اپنے تنازعات یا تو باہم طے کر لو ورنہ ملکی قانون کے تحت زندگی گزارو۔

۴۔ صفت عدالت

صفت عدالت سے مراد یہ ہے کہ قاضی سچ بولتا ہو' امانت و دیانت کے اصول پیش نظر رکھتا ہو' نیک سیرت ہو اور بے داغ ماضی رکھتا ہو' جذباتی نہ ہو' خوشی اور غم میں معتدل رویہ اختیار کرتا ہو' اور اس کی عام شہرت اچھی ہو۔ یہ صفات گواہ کے لیے ہیں' یہی صفات حاکم کے لیے ہیں اور یہی قاضی کے لیے مطلوب ہیں۔ ان سے نہ انکار کیا جا سکتا ہے اور نہ ان کے بغیر عدل کا قیام ممکن ہے۔ یہ سب صفات آج بھی تمام عہدوں کے لیے اتنی ہی ضروری ہیں جتنی ماوردی کے زمانے میں تھیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ منصب قضا پر فائز کیے جانے والے تمام متوقع افراد ان شرائط کی کڑی چھلنی میں سے گزارے جائیں۔

۵۔ سلیم الاعضاء ہو

اس سے مراد یہ ہے کہ قاضی کے تمام جسمانی اعضاء درست حالت میں ہوں' خاص طور پر سننے اور دیکھنے کی صلاحیتیں موجود ہوں۔ باقی اعضاء' جیسے ہاتھ پاؤں' کے بارے میں بعض فقہاء کا کہنا ہے کہ ان کا درست ہونا قاضی کے لیے شرط نہیں ہے کیونکہ یہ قضاء کے عمل میں کوئی کردار نہیں ادا کرتے۔ لیکن ماوردی کے خیال میں قاضی کے لیے مطلوب وقار اور تمکنت کے پیش نظر ان اعضاء کا صحیح سالم ہونا بھی ضروری ہے۔ اور یہی رائے اقرب الی الصواب ہے' واللہ اعلم۔

۶۔ شرعی علوم کے اصول (Principles) اور جزئیات کا علم

یہ شرط بڑی اہم ہے اس کا سمجھنا ان لوگوں کے لیے خاصا دشوار ہے جن کا تعلیمی پس منظر فقہی نہ ہو۔ ملک کے جدید تعلیم یافتہ حضرات کی بڑی تعداد فقہی مسائل کو بالعموم عبادات ہی سے متعلق سمجھتی ہے۔ عربی زبان بھی ابھی تعلیمی اداروں میں عام نہیں ہوئی' اس لیے بہت سے لوگ اسلامی قانون کا تعارف اس طرح حاصل نہیں کر پائے جس طرح وہ انگریزی قانون سے واقف ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی قانون کو سمجھنے کے لیے اصول فقہ کا جاننا از حد ضروری ہے۔ یہ منصب قضاء کا اہم سبق ہے جس کے سیکھنے کے بعد ہی مسائل کی جزئیات سمجھی جا سکتی

ہیں۔

ماوردی کے خیال میں غیر مجتہد فرد کو قاضی بنایا جائے تو اس کا تقرر باطل ہے۔ غالباً یہ رائے ایک خاص عہد کی ترجمان ہے۔ مجتہد کی تعریف بھی ماوردی کی اپنی ہی ہے جس کے مطابق قرآن و سنت، اجماع، اور قیاس کا علم رکھنے والا فرد مجتہد ہوتا ہے۔ یہ تعریف فقہی اعتبار سے ناقص ہے۔ لیکن اگر اسی تعریف کو درست مان لیا جائے تو اس کے اندر رہتے ہوئے ہی قاضی کا انتخاب درست ہے۔ (اجتہاد کے بارے میں پانچواں باب ملاحظہ کیا جا سکتا ہے جس میں قدرے تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔) امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک غیر مجتہد فرد کا قاضی بننا درست ہے اور وہ مفتی سے فتویٰ لے کر فیصلہ کر سکتا ہے۔

دراصل یہاں بھی مجتہد کی تعریف کی وجہ سے اختلاف پیدا ہوا۔ مجتہد کی فقہی تعریف امام صاحب کے نزدیک ذرا مختلف ہے جس کے تحت وہ قاضی کی تقرری کے لیے مجتہد کے مقابلہ میں قدرے نرم شرائط بیان کرتے ہیں۔ لیکن ماوردی کی مجتہد کی تعریف پہلے ہی بہت نرم ہے۔ بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص کو مجتہد قرار دے کر ماوردی اسے قاضی مقرر کر رہے ہیں امام صاحب کے نزدیک وہ شخص غیر مجتہد ہے۔ اس لیے شرائط کا یہ اختلاف تعریف کے باعث ہے ورنہ دونوں نے ایک ہی بات بیان کی ہے۔

قاضی کی صفات پر ایک نظر

جدید دور میں ہر شعبہ زندگی بے پناہ تبدیلی کے عمل سے گزر چکا ہے۔ ایک سواری ہی کو لیجئے۔ بعثت نبوی ﷺ کے وقت سواری و باربرداری کی وہ شکل نہیں تھی جو آج کل ہے۔ اب سواری کی اقسام گننا دشوار ہے۔ کسی ایک قسم کی موٹر کار ہی کو لے لیجئے، ہزاروں پرزوں پر مشتمل ہوتی ہے جس کے درجنوں ماہرین ہوتے ہیں۔ کئی اقسام کے کیمیائی مرکبات اس گاڑی کے کام (Function) میں استعمال ہوتے ہیں۔ الغرض سائیکل، موٹر سائیکل، موٹر کار، ہوائی جہاز یہ سب سواری کی قسمیں ہیں۔

ریاستی علوم بھی اسی اصل کلی پر قیاس کیا جا سکتے ہیں۔

عہد نبوی ﷺ میں لوگوں کی راہ نمائی کے لیے رسول اللہ ﷺ موجود تھے، ان کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآن و سنت کی روشنی میں اداروں کی تشکیل کی، مسائل پر آراء دیں۔ صحابہ کی یہ آراء بعد میں آنے والوں کے لیے راہ نمائی مہیا کرتی رہیں۔ ایک ہی مسئلہ پر صحابہ کی دو یا دو سے زائد آراء کی صورت میں ایک کو ترجیح دی گئی تو یہاں سے علم فقہ نے وسعت اختیار کی۔ پھر فقہاء کی آراء بھی زندگی کی ترتیب و تنظیم میں داخل ہوتی گئیں جو

بالکل فطری امر تھا۔ پھر اصول فقہ کی ابتدا ہوئی' کلیات وضع ہوئے' کتب اصول کی تالیف ہوئی' ان اصول کی تطبیق شروع ہوئی' یوں یہ عمل بڑھتے بڑھتے آج بالکل اسی مقام پر ہے جس پر سواری کی مختلف ارتقائی شکلیں ہیں۔ اس لیے نہ سواری کے وہی ذرائع آج اپنائے جا سکتے ہیں جو صدیوں قبل تھے اور نہ منصب قضاء کے لیے فقہاء کی عائد کردہ شرائط اپنی اصل شکل میں نافذ کی جا سکتی ہیں۔ مثلاً یہ شرط کہ قاضی مجتہد ہو' اس وقت تو درست تھی جب آلات و اوزار سادہ شکل میں تھے اور قاضی کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ سے کچھ لے کر فوری فیصلہ کر دیتا تھا۔ مجتہد کی تعریفات اور اقسام بھی ایک سے زائد ہیں۔ اجتہاد کی ضرورت بھی اس لیے پڑتی تھی کہ بہت سے امور میں پہلے کوئی اجتہاد نہیں ملتا تھا۔ عصر جدید میں یہ سب کچھ یکسر تبدیل ہو گیا ہے' مقدمات اور دعاوی کی اس قدر انواع پیدا ہو چکی ہیں کہ ان کے متعلقہ مسائل کی تفہیم کے لیے بھی عمر خضر درکار ہے۔ بہت سے معاملات میں قاضی کو اجتہاد کی ضرورت ہی نہیں ہے کیونکہ ان میں پہلے کے اجتہادات موجود ہیں۔ دوسری طرف علوم اور شعبوں میں کثرت کی وجہ سے ہر شخص کے لیے ہر قسم کا فیصلہ کرنا ناممکن ہے۔ شعبہ جہاز رانی ہی کے متعلقات اس قدر ہیں کہ بیمہ کے بارے میں کچھ سیکھنا طبعی عمر میں ممکن نہیں۔ عائلی میدان میں اختصاص کیا جائے تو مواصلات کے تمام قوانین کو صرف ایک دفعہ پڑھنا ہی ناممکن ہوتا ہے۔

آج کل جہاں بہت سے امور میں قاضی کا کام بے حد سہل ہو گیا ہے وہیں بہت سے میدانوں میں اس کا کام دشوار بھی ہے۔ لہٰذا حالات کے مطابق ہر نوع اور ہر شعبہ کے لیے الگ الگ افراد مقرر کیے جائیں جن کے لیے فقہاء کی بنیادی شرائط تو عائد کی جا سکتی ہیں لیکن حالات کے مطابق کہیں کہیں آسانی پیدا کرنا بھی ممکن ہے اور کہیں ان شرائط کو قدرے سخت تر بھی کیا جا سکتا ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ نظام عدل و قضاء کی روح متاثر نہ ہو' جزئیات میں تبدیلی کی جا سکتی ہے۔ کسی ایسے شخص کو ہرگز قاضی مقرر نہ کیا جائے جو اسلام کی مبادیات ہی سے واقف نہ ہو اور نہ اس کا طرز فکر اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ ہو' چاہے صفت عدالت کے اعتبار سے وہ کتنا ہی بلند پایہ کیوں نہ ہو۔

آداب القاضی

اسلام کے نظام عدل و قضاء پر بہت مواد موجود ہے۔ ادب القاضی یا اس سے مماثل ناموں کی کوئی ۶۴ کتابوں اور ان کے مولفین کی فہرست مجاہدالاسلام قاسمی نے "اسلامی عدالت" میں دی ہے[۱۲]۔ کم و بیش اتنی ہی کتب کا تذکرہ ڈاکٹر غازی کی کتاب ادب القاضی میں ملتا ہے[۱۳]۔ دونوں محققین نے قاضی کی شخصیت کے بارے میں

ان کتب سے بیش قیمت خلاصہ نکالا ہے جس کا مزید اختصار آئندہ سطور میں پیش خدمت ہے۔

اسلامی نظام زندگی میں قاضی بہت محترم شخصیت ہے لیکن اس کا احترام اسی صورت میں ممکن ہے جب وہ شرافت، اصول پسندی، عالی ظرفی اور ضبط نفس کا مظاہرہ کرے۔ اسے بہت سے لذائذ سے پرہیز کرنا ہوتا ہے۔ اس کی گفتگو میں نرمی، لیکن جلال ہو، بات کرے تو نپی تلی ہو۔ خاموش رہے تو تمکنت اور وقار کی علامت نظر آئے۔ کسی ملامت کی پرواہ نہ کرے اور فیصلہ کرنے سے قبل اصحاب رائے سے مشاورت کرے۔

قاضی اپنے منصب پر متمکن رہتے ہوئے لوگوں سے تحائف لینے کا حق دار بھی نہیں ہے لیکن نجی زندگی میں وہ تحائف قبول کیے جا سکتے ہیں جو منصب سے تعلق نہ رکھتے ہوں۔ اس سلسلے کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ لیتے وقت اندازہ کر لے کہ یہ تحائف اسے قاضی نہ ہوتے ہوئے بھی ملتے یا نہیں۔ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بھیجا۔ اس نے واپس آ کر کچھ مال بیت المال میں جمع کرایا اور کچھ مال کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ مجھے لوگوں نے تحائف کی شکل میں دیا ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر لوگوں سے خطاب کیا کہ "یہ شخص اپنے ماں باپ کے گھر بیٹھ کر دیکھ لے کہ لوگ اسے ہدیہ پیش کرتے ہیں یا نہیں"۔ پھر فرمایا۔ "جو شخص ایسا مال لے گا قیامت کے دن اسے اپنی گردن پر اٹھائے حاضر ہو گا"[۱۴]۔

تحفہ اس اصل مال کے ساتھ ہی ہوتا ہے جس کی تحصیل پر عامل کو مامور کیا گیا ہو۔ قاضی لوگوں کے مابین فصل الخصومات کے لیے مامور ہوتا ہے۔ اس لیے اسے ملنے والے تحائف نظام عدل کے لیے ہوتے ہیں، نہ کہ قاضی کے لیے۔ یہی حکم اس خاص دعوت کے لیے بھی ہے جو صرف قاضی کے لیے ہو۔ اپنے اعزہ و اقارب کی منعقدہ تقاریب میں شریک ہونا منع نہیں ہے۔ لوگوں کی نمازہ جنازہ میں شرکت بھی جائز ہے لیکن ایسے مریض کی عیادت کرنا جائز نہیں جو فریق مقدمہ ہو۔

عدالتی عمل کے علاوہ کسی کو مقدمہ کے بارے میں گفتگو کی اجازت نہ دے، نہ کسی فریق مقدمہ کو تنہائی میں ملنے کی اجازت دے۔ عام لوگوں سے ملنا جلنا موقوف کر دے۔ اس کے معاونین کے لیے یہ سب پابندیاں تو نہیں لیکن ممکنہ حد تک قاضی خود اہتمام کرے کہ وہ بھی اس کی تقلید کریں۔

قاضی کا لباس بھی ایسا ہو کہ جس سے رعب اور جلال مترشح ہو۔ قاضیوں کے لیے الگ سے کوئی لباس مروج ہو تو لازماً پہنے۔ باوضو ہو کر عدالتی کارروائی شروع کرے۔ مستحسن یہ ہے کہ دو رکعت نفل نماز پڑھے اور اللہ سے استعانت کی دعا کرے۔ شدید بھوک کی حالت میں مقدمہ کی کارروائی روک دے اور ہلکا پھلکا ناشتہ کر کے دوبارہ

کارروائی کا آغاز کرے، سیر ہو کر کھانے سے طبیعت میں سستی اور کاہلی پیدا ہو جاتی ہے۔ ایسی حالت میں ذہنی و جسمانی صلاحتیں ماند پڑ جاتی ہیں، اس لیے سیر شکمی سے پرہیز کرے کہ یہ مقدمہ پر بری طرح اثر انداز ہوتی ہے۔

عدالت میں اہل علم و فن کی حاضری بڑی اہم ہے لیکن کسی بڑے علمی مرتبے کے حامل شخص کی حاضری سے قاضی مرعوب ہو جائے تو عدالتی کارروائی ختم کر دے اور غیر محسوس طریقے سے آئندہ ایسے افراد کا بیٹھنا بند کر دے کیونکہ قاضی کا مرعوب ہونا مقدمہ کی کارروائی پر اثرانداز ہوتا ہے۔ وہ توجہ کے ساتھ کوئی کام کر ہی نہیں سکتا۔ اس لیے یہ عمل ضروری ہو جاتا ہے۔

فریقین کے ساتھ مکمل عدل کا مظاہرہ کرے۔ دونوں کی گفتگو کو یکساں اہمیت دے۔ کسی ایک فریق کی گفتگو سے اکتاہٹ محسوس کرے، نہ اس کا اظہار کرے۔ دونوں کے ساتھ گفتگو کرتے وقت ایک جیسا لب و لہجہ اختیار کرے۔ شہادت کے وقت دونوں کو خاموش کرائے اور خود مکمل توجہ، حاضر دماغی اور جاذبیت کے ساتھ گواہوں کے تاثرات، انداز گفتگو اور حرکات و سکنات پر گہری نظر رکھے۔ ان سے بھی گواہی کے وزن کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ بے حد اہم ہوتا ہے۔ فریقین کی طویل گفتگو مکمل یکسوئی اور صبر کے ساتھ سنے، البتہ یہ احساس ہو جائے کہ غیر ضروری اور غیر متعلق باتیں بیان کی جا رہی ہیں تو بڑی حکمت کے ساتھ توجہ دلائے۔

گواہوں کے معاملہ میں فقہاء کا خیال ہے کہ قاضی ان میں بے شک فرق مراتب رکھے۔ کوئی گواہ تقویٰ اور علم و فضل کے اعتبار سے ممتاز ہو تو اس کا اکرام کیا جا سکتا ہے لیکن باقی گواہوں کا بھی اتنا احترام ضروری ہے جو عمومی اخلاق کے مطابق ہو۔ کسی گواہ کو یہ احساس نہ ہو کہ اس کی ہتک کی جا رہی ہے۔

منصب قضاء کے بارے میں کتب فقہ میں بہت تفصیل کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔ معمولی معمولی باتوں پر بیش قیمت آراء ملتی ہیں۔ ان سب کا احاطہ دشوار ہے، اس لیے تفصیل جاننے کے خواہش مند حضرات مذکورہ بالا دونوں کتب کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔

قاضی کا تقرر جدید دور میں

ابتدائی سطور میں قاضی کی اہم ذمہ داریوں کے لیے چند احادیث کا ذکر کیا گیا تھا کہ کسی عہدے، بشمول منصب قضا، کے لیے خود کو پیش کرنا، اسلام میں مستحسن نہیں ہے۔ جب بغیر چھری کے ذبح ہونے کا خوف موجود ہو، آخرت میں سخت محاسبے سے گزر کر ہی نجات ممکن ہو، تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ جدید دور میں قاضی کا تقرر کیوں کر ہو؟ اور افراد کے لیے کیسے ممکن ہے کہ وہ خود کو پیش بھی نہ کریں اور قاضی کا منصب بھی خالی نہ رہے؟ اس سوال کا جواب

مشکل نہیں ہے۔ صرف سوچ اور طریق کار میں ذرا سی تبدیلی درکار ہے۔ بلکہ طریق کار پہلے سے موجود ہے جس کو صرف اختیار کرنا باقی ہے' بعد کے باقی مسائل حل کرنا کچھ زیادہ دشوار نہیں ہے۔

یہ برس ہا برس کا مشاہدہ ہے کہ نوجوانوں کی ایک کھیپ خود کو فوجی خدمات کے لیے پیش کرتی ہے۔ کڑے طریق انتخاب سے گزر کر ان میں سے کچھ فوجی خدمات کے لیے منتخب ہو جاتے ہیں۔ پھر ان کی تربیت کا مرحلہ شروع ہوتا ہے۔ اس عرصے میں منتخب افراد کی ایک ایک حرکت پر کڑی نظر رکھی جاتی ہے۔ ان کی خوبیاں' میلانات' پسند ناپسند' سوچ کا انداز' طریق عمل اور دوسرے بہت سے عوامل کی معمولی معمولی بات ریکارڈ کی جاتی ہے۔ تربیت کے اختتام پر تمام کیڈٹوں کی اہلیت کے مطابق درجہ بندی کی جاتی ہے۔ اسی درجہ بندی کے مطابق فوجی خدمات میں سے اہم ترین شعبہ (Corps) میں اہل ترین فرد کو بھیج دیا جاتا ہے اور یہ ترتیب درجہ بدرجہ نیچے تک آتی ہے۔ حتیٰ کہ سب سے کم کارکردگی ظاہر کرنے والے کیڈٹ کو فوجی اعتبار سے سب سے کم اہم شعبہ میں بھیجا جاتا ہے۔ تربیت کے اختتام پر ہر شخص کا یہ حق تو ہوتا ہے کہ اسے فوج میں رکھا جائے لیکن اس کا یہ استحقاق نہیں ہوتا کہ وہ اپنی پسند کے شعبہ میں جا سکے در آنحالیکہ وہ اس کا اہل نہ ہو۔

یہی اصول سول سروس میں کارفرما ہوتا ہے۔ عوامی خدمات کا وفاقی کمیشن (Federal Public Service Commission) پڑھے لکھے نوجوانوں کو عوامی خدمات کے لیے پیش کش کرتا ہے۔ کم و بیش یہاں بھی مذکورہ فوجی طریقہ اختیار کرتے ہوئے افراد کی درجہ بندی کی جاتی ہے۔ اہل ترین افراد کو ضلعی انتظامیہ کے مناصب تفویض کیے جاتے ہیں' اس کے بعد لوگوں کو سفارتی خدمات پر مامور کیا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ کم تر درجہ حاصل کرنے والا اسی ترتیب سے اپنا مرتبہ و مقام پاتا ہے۔

اس عمل میں کمیشن ہی لوگوں کی صلاحیتوں کی جانچ پرکھ کرتا ہے اور صلاحیتوں کے اعتبار ہی سے کام تفویض کیے جاتے ہیں۔ اس لیے منصب قضاء پر تقرری کے لیے بھی یہی طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہے۔ جس شخص میں مذکورہ بالا منصب کے لیے شرائط ملیں وہی اس کام پر مامور ہو۔ دوسرے تعلیم یافتہ آدمی' جس میں قدرے کم اہلیت ہو' باقی عدالتی انتظامی کاموں پر فائز کیے جا سکتے ہیں۔ ابتدا میں تمام عوامی خدمات کے لیے نوجوانوں کو پیش کش کی جائے نہ کہ خاص طور پر سول جج کے منصب کے لیے۔ دوسری طرف درخواست دینے والے افراد بھی مخصوص منصب کے لیے خود کو نہ پیش کریں۔ خاص طور پر قضاء کا خیال تو دل میں نہ لائیں۔ بھرتی کے تمام مراحل کے بعد ماہرین جب کچھ افراد کو اس منصب کے لیے بہترین قرار دیں تو منتخب ہونے والے افراد مسرت محسوس کرنے کی

بجائے اپنے اوپر خوف طاری کریں کیونکہ دنیا کے یہ عارضی عہدے انسان کا جی تو لبھا سکتے ہیں لیکن آخرت میں سخت محاسبے کا باعث بھی ہیں۔

ضلعی عدلیہ اور عدالت عالیہ (High Court) کے ججوں کے لیے یہ طریقہ جزوی طور پر موجود ہے۔ ایک خاص عرصہ وکالت کے حامل اصحاب کو ضلعی ججوں کے عہدے پر مقرر کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح عدالت عالیہ کے کچھ جج بھی تجربہ کار وکلاء میں سے لیے جاتے ہیں۔ وکلاء کو یہ خیال رکھنا چاہیے کہ ایسی پیشکش قبول کرتے وقت جہاں وہ دوسرے بہت سے امور اپنے سامنے رکھتے ہیں وہاں تعلیمات اسلامی بھی لازماً اپنے ذہن میں رکھیں بلکہ ان پر تو قدرے زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے' ایک بے روزگار نوجوان تو قیامت کے دن شاید حصول روزگار کا عذر پیش کر کے بچ جائے لیکن پیشہ وکالت کے مصروف اور معقول ذریعہ آمدنی رکھنے والے افراد شاید زیادہ سخت محاسبے سے گزریں۔ ان کو یہ عہدے اسی وقت قبول کرنے چاہئیں جب ان کے خیال میں ان سے بہتر آدمی نہ مل سکے۔ فقہ حنفی کے امام ابو حنیفہ بطور فقیہ (Jurist) کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ آپ کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ حاکم وقت نے آپ کو مملکت کا قاضی القضاۃ (Chief Justice) مقرر کرنے کی کوشش کی تو آپ نے صاف انکار کر دیا۔ یہاں تک کہ بعض روایات کے مطابق پیشکش قبول کرنے کے لیے آپ پر بے حد ذہنی و جسمانی دباؤ بھی ڈالا گیا لیکن آپ نے مرتے دم تک انکار کیا[۱۵]۔

منصب قضا پر افراد مقرر کرنے کا درست ترین طریقہ بھی موثر نہیں ہو سکتا جب تک افراد کا انتخاب کرنے کے ذمہ دار لوگ اپنی ذمہ داری پوری نہ کریں۔ یہ افراد حکومتی عہدے دار بھی ہو سکتے ہیں' مملکت کے اعلیٰ افسران بھی ہو سکتے ہیں۔ انتخاب کے عمل میں جن خدمات کی ضرورت پیش آتی ہے ان کے ماہرین بھی ہو سکتے ہیں جیسے طبیب (Doctor) ماہر نفسیات (Psychologist) اور امتحانی پرچوں کی جانچ پڑتال کرنے والے ممتحن وغیرہ۔

خلاصہ کلام یہ کہ یہ سب کام ایک دوسرے سے باہم مربوط ہیں۔ ایک کا دوسرے پر لازمی انحصار ہوتا ہے۔ سارے عمل میں جہاں نظام کی اہمیت ہے' وہیں افراد بھی اہم ہیں۔ افراد کا انتخاب کر کے اہل افراد کی سفارش (Recommendation) کرنے والے افراد بھی کچھ کم اہم نہیں ہیں۔ ماہرین کی اپنی ایک مسلمہ اہمیت ہے۔ جب یہ سب افراد اپنی ذمہ داری مذکورہ بالا اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ادا کریں تبھی اسلام کا نظام عدل قائم ہو سکتا ہے جس سے عوام کو فوری' بروقت اور بغیر کچھ خرچ کیے عدل مل سکتا ہے۔

اسلامی نظام عدل و قضا اور دوسرے نظم ہائے عدل و انصاف میں فرق

۱۔ وحی اور عقل کے اعتبار سے

اسلامی نظام عدل و قضا کی ایک اہم خوبی یہ ہے کہ یہ نظام اپنے افراد (Subjects) کا تعلق اللہ سے جوڑتا ہے۔ قاضی کی ذات سے لے کر مجموعی نظام تک سب کچھ قرآن و سنت کی روشنی میں مرتب ہوتا ہے۔ اس لیے لوگ اس کے فیصلے شریعت کے مطابق سمجھتے ہیں۔ شریعت کے تحت ہونے والے فیصلے عین اسلام کی روح کے مطابق ہوتے ہیں۔ قاضی کے فیصلے جمہور کے مرتب کردہ قوانین کے تحت نہیں ہوتے' نہ جمہور کے نمائندوں کے مرتب کیے ہوئے قوانین ان فیصلوں کی روح ہوتی ہے۔ بلکہ قاضی اپنے فیصلے کے لیے اولاً قرآن و سنت کو بنیاد بناتا ہے۔ صراحتاً" راہ نمائی نہ ملے تو گزشتہ اجماع کی روشنی میں قاضی خود اجتہاد کرتا ہے جو مجموعی احکام الٰہی کی منشاء سے متصادم نہیں ہوتا۔ ملک کی عدالتوں میں یک رنگی اور ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے جمہور یا ان کے نمائندے یکساں عدالتی طریق کار وضع کرنے کے مجاز تو ہیں لیکن اس صورت میں بھی نظام عدل' الٰہی منشاء کے مطابق ہی چلتا ہے اور یوں اسلامی نظام عدل و قضاء کے تحت کیے گئے فیصلے تمام مسلمان قبول کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ ان کے ایمان کا حصہ ہوتے ہیں۔ دوسرے نظم ہائے قانون افراد کے بنائے ہوتے ہیں۔ یہ افراد آمرانہ طرز حکومت کے نمائندے بھی ہو سکتے ہیں اور جمہوری نظام زندگی کے کل پرزے بھی۔ ہر دو صورتوں میں وضع کیے جانے والے قانون کا مصدر و منبع انسانی سوچ ہوتی ہے۔ انسانی سوچ کے درست ہونے کا معیار بھی جمع تفریق کے حسابی ضابطے کے تحت طے پاتا ہے۔ کوئی بنیادی قانون وضع کرنے کے لئے اگر اکیاون افراد ایک رائے پر متفق ہوں اور انچاس اس کی شدید مخالفت کر رہے ہوں تو اول الذکر کی رائے ملکی قانون قرار پاتی ہے قطع نظر اس کے کہ رائے درست ہے یا غلط۔ یہ قانون اساسی نوعیت کا بھی ہو سکتا ہے جو ملک کی اکثریت کو ناپسند بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن چونکہ رائج الوقت نظام میں اکثر افراد کی پسند یہی ہوتا ہے اس لیے یہ قانون کا درجہ اختیار کر لیتا ہے۔ اسی کے مطابق عدالتیں فیصلے کرنے کی پابند ہوتی ہیں' چاہے اکثریت اسے ناپسند کرتی ہو۔ اسلامی نظام حکومت میں سرے سے ایسا کوئی قانون وضع کرنا ہی ممکن نہیں ہوتا۔ اس لیے عدالتیں وہی فیصلہ کرتی ہیں جو لوگوں کے ایمان و یقین کا حصہ ہوتا ہے۔

۲۔ اخلاق اور قانون میں فرق کے اعتبار سے

دوسرے فلسفہ ہائے انصاف اور اسلام کے نظام عدل و قضاء میں اخلاق اور قانون کے لحاظ سے بھی بڑا فرق ہے۔ اول الذکر میں اخلاق کا تعلق معاشرے سے ہے' قانون سے نہیں ہے۔ یہ انسان کے داخلی طرز فکر کا نمائندہ

ہوتا ہے۔ اخلاقی اصول پامال کیے جائیں تو اس کے لیے اخلاقی دباؤ ہی ہوتا ہے۔ قانون کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ قانون انسان کے خارجی طرز عمل کے مطابق مرتب کیا جاتا ہے۔ شراب نوشی اس وقت تک جرم متصور نہیں ہوتی جب تک اس کے اثرات دوسرے پر نہ پڑیں۔ یہی وجہ ہے کہ شراب پی کر گاڑی چلانا جرم ہے' پہلے نہیں۔ حالانکہ محض شراب نوشی اخلاقی برائی ہے۔ بہت سی دوسری اخلاقی برائیوں کی بھی قانون میں مکمل آزادی ہے۔ ان معاشروں میں اخلاق اور قانون دو متوازی لکیریں ہیں جن کا مقام اتصال ابھی تک دریافت نہیں ہو سکا۔

اسلامی نظام عدل و قضاء کی تعمیر اخلاق اور قانون دونوں سے ہوتی ہے۔ اخلاق ہی وہ ذریعہ ہے جس سے جرم کا سدباب ابتداء ہی میں کر دیا جاتا ہے۔ ایمان' اخلاق اور قانون کی مثلث ہی سے اسلامی نظام عدل و قضاء کی تکوین ممکن ہے۔ ایک کو نکال دیجئے سارا نظام زمین بوس ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ افراد کے تمام افعال کے نتائج بحیثیت مجموعی سارے معاشرے پر پڑتے ہیں۔ فرد کی نجی زندگی اور نجی افعال کا جتنا تحفظ اسلام میں ہے اتنا دوسرے نظم ہائے زندگی اس کا اہتمام نہیں کرتے۔ دوسری طرف فرد کو مطلقاً" آزاد بھی نہیں چھوڑا گیا۔ اخلاقیات کے دائرے میں اس کی تربیت اخلاقی ضوابط کے تحت ہی کی جاتی ہے۔ یہاں شراب نوشی اخلاقاً" بھی ممنوع ہے اور قانوناً" بھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شراب نوشی انسان کا محض ذاتی فعل نہیں بلکہ اس کے گہرے اثرات اس کے جسم پر بھی مرتب ہوتے ہیں جس کا سلسلہ اگلی نسل تک جا پہنچتا ہے۔ اسی طرح کسی کے عقل و حواس مختل ہو جائیں تو یہ سارے نظام کے لیے باعث ضرر ہے۔

یہاں کسی شخص کا بند کمرے میں شراب نوشی کرنا اخلاقی ہی نہیں تعزیری جرم بھی ہے۔ وہ پکڑا جائے تو دنیا ہی میں سزا بھگت کر بری ہو جائے' نہ پکڑا جائے تو آخرت میں اس کی نجات ممکن نہیں ہے۔ پکڑے جانے پر وہ اسے "نجی آزادی" میں مداخلت قرار نہیں دے سکتا۔ کیونکہ اس فعل کا تعلق پورے معاشرے سے ہے۔ انسانی عقل اس کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ کچھ عرصہ قبل امریکہ میں تحقیق سے ظاہر ہوا کہ ایک کیڑے مار دوا فصلوں کے لیے اس قدر مضر ہے کہ اناج کھانے والوں پر بھی اس کے اثرات پڑتے ہیں۔ اس پر ایک قانون بنایا گیا کہ اس دوا کو امریکہ میں فروخت نہیں کیا جا سکتا۔ اس دوا کا بہت بڑا ذخیرہ تیار ہو چکا تھا۔ اس لیے اسے دوسرے ممالک میں فروخت کر دیا گیا۔ یوں امریکی قانون پر عمل بھی ہو گیا اور تاجروں نے نقصان بھی نہ اٹھایا۔ کچھ عرصہ بعد معلوم ہوا کہ جن ملکوں نے وہ دوا خریدی تھی' نہ صرف وہاں مقیم امریکیوں پر مضر اثرات پڑے بلکہ امریکہ نے وہاں سے زرعی اجناس درآمد کیں تو وہی مضر اثرات بالواسطہ طور پر امریکہ کے اندر آ پہنچے اور لوگوں پر اثر انداز ہوئے۔ اس

مثال سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ دور دراز کے ملکوں میں کاشت ہونے والی فصلوں کے مضر اثرات نے کہاں کہاں اثرات ڈالے۔ اسی طرح تمام انسانی افعال بھی ایک دوسرے سے مربوط ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے پر باہم اثر انداز ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی نظام عدل و قضاء میں اخلاق اور قانون کا الگ الگ تصور نہیں ہے۔

۳۔ ترتیب مضامین کے اعتبار سے

اسلامی نظام حیات کی ابتداء ایمانیات سے ہوتی ہے' پھر مسلمانوں کو عبادات کے مسائل بتائے جاتے ہیں' اس کے بعد اخلاقیات کی ترتیب ہے' اخلاقیات کے بعد انسانوں کے باہمی معاملات کا ذکر آتا ہے۔ آخر میں تعزیرات کا ذکر آتا ہے۔ کتب فقہ میں ترتیب کے اعتبار سے سزاؤں کا ذکر ہمیشہ آخر میں آتا ہے۔ کسی بھی فقہی کتاب کو دیکھ لیجئے کم و بیش یہی ترتیب ملتی ہے۔ ان سب میں سے ہر ایک کا دوسرے کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ انسان سے پہلے تو اس کے خالق کا تعارف کرایا جاتا ہے (ایمانیات)۔ پھر اس خالق کے حقوق بتائے جاتے ہیں (عبادات)۔ پھر انسانوں کے باہمی مراسم و تعلقات (معاملات) اور آخر میں خلاف ورزی پر سزا کا ذکر آتا ہے (عقوبات)۔ جبکہ دوسرے تمام سلسلہ ہائے عدل و انصاف میں قانون کا آغاز معاملات سے ہوتا ہے اور سزا پر ختم ہو جاتا ہے۔ وہ انسان کی راہ نمائی کرنے کی بجائے اسے پابند کرتے ہیں۔

۴۔ تصور اسباب و علل کے اعتبار سے

ابتدا میں ذکر کیا گیا تھا کہ اسلامی نظام زندگی کے تمام عناصر ایک دوسرے کے ساتھ بہت گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ یہاں نظام عدل کی معاونت کے لیے اسلام کا اخلاقی نظام موجود ہے۔ عائلی نظام زندگی اہتمام کرتا ہے کہ پہلے ہر فرد کی بروقت جائز اور شرعی طریقے پر ازدواجی ضرورت' نکاح کی شکل میں پوری کرے۔ کسی کی تسکین نہ ہو سکے تو چار تک شادیاں کر سکتا ہے۔ پھر بھی کوئی شخص اعتدال کا دامن چھوڑ کر حرام کاری کا ارتکاب کرے تو پھر اسلام کا فوجداری قانون حرکت میں آتا ہے۔ کفالت اجتماعیہ کی طرف آیئے' پہلے ہر فرد کی ضروریات پوری کی جاتی ہیں۔ اس کے بعد کوئی دوسرے کے مال پر ڈاکا ڈالے' تب سزا دی جاتی ہے۔ خاندانی نظام کا تحفظ بھی اسلامی نظام زندگی کا خاصہ ہے۔ کوئی مرد یا خاتون بالغ ہونے پر مطلقاً آزاد نہیں کہ اخلاقی برائیوں کا ارتکاب کریں اور اسے باہمی رضامندی کی خوش نما اصطلاح کا نام دیں بلکہ وہ ایک خاندانی نظام کا حصہ ہیں جس سے انہیں تحفظ حاصل ہوتا ہے۔ اس سے وہ وراثت میں حقوق حاصل کرتے ہیں۔ اسی سے وہ قلبی و جذباتی تعلقات قائم کرتے ہیں۔ ان کی ایک ایک حرکت دوسرے خاندانی اور معاشرتی رشتوں کی امانت ہوتی ہے۔ جب خاندان اور معاشرے کا تانا بانا افراد

کو اتنا کچھ دیتا ہے تو ان کی غلط کاریوں پر سزا دینے کا بھی مجاز ہے۔ یہ سب کچھ ایک دوسرے سے باہم مربوط ہے۔

دوسرے نظام ہائے عدل و انصاف میں عجیب افراتفری کا منظر دیکھنے کو ملتا ہے۔ پہلے ذرائع ابلاغ کے ذریعے تشدد پر مبنی فلمیں دکھا کر لوگوں کی تربیت ایک خاص نہج پر کی جاتی ہے۔ جب ان فلموں کے اثرات تشدد کے عملی مظاہرے کی شکل میں جگہ جگہ ظاہر ہوتے ہیں تو لوگوں کو سزا دی جاتی ہے۔ گویا اخلاق خراب کرنا قانون سے متعلق نہیں۔ شراب نوشی پر کوئی تحدید نہیں ہے۔ لیکن یہی شراب نوشی جب ٹریفک کے حادثات کا باعث بنتی ہے تو مرتکب کو سزا دی جاتی ہے۔ یہ طرز فکر ہر سطح پر دیکھا جا سکتا ہے۔ فی الاصل اسلام کے علاوہ دوسرے تمام نظام ہائے عدل و انصاف میں جرم کے اسباب کو بالکل نظرانداز کر دیا جاتا ہے۔ اسلام میں تو عدل و انصاف کا پورا ڈھانچا ہی اسباب و علل پر قائم ہے۔ حضرت عمرؓ نے قحط سالی کے عرصے میں حدود تک ساقط کر دی تھیں کیونکہ جرم کا سدباب انسانی اختیار سے نکل چکا تھا' اس لیے حدود پر عمل کرنا بھی روک دیا گیا تھا[۱۶]۔

اسلامی نظام حیات میں عدل کا مقام

اسلامی نظام حیات میں عدل کا مقام بہت بلند ہے لیکن بدقسمتی سے عدل کا تعلق بالعموم محض عدالت سے جوڑ دیا جاتا ہے۔ حالانکہ عدالت تو عدل کے حصول کے لیے آخری چارہ کار ہے۔ یہاں عدل کا پہلا تعلق انسان کے ایمان سے ہے۔ ایمان مضبوط ہو تو عدالتیں خالی رہتی ہیں۔ لوگ اپنے بے شمار معاملات خود ہی طے کر لیتے ہیں انہیں بہت کم معاملات میں عدالت سے رجوع کرنا پڑتا ہے۔

عدالت کے علاوہ بھی زندگی میں قدم قدم پر عدل کی ضرورت پڑتی ہے۔ کسی دفتر میں ایک افسر جب اپنے ماتحت کی سالانہ خفیہ کارکردگی (Annual Confidential Report) لکھتا ہے تو یہاں بھی اس کا سامنا عدل سے ہوتا ہے۔ کوئی مجاز افسر جب چند ٹھیکے داروں میں سے کسی ایک کو کوئی سرکاری کام تفویض کرتا ہے تو یہاں بھی عدل ہی کی ضرورت پیش آتی ہے۔ قانون ساز ادارے کا رکن جب کسی قانون کے حق میں یا مخالفت میں اپنی رائے کا اظہار کرتا ہے تو یہاں بھی عدل ہونا چاہیے۔ کوئی استاد جب طالب علموں کے پرچوں کی جانچ پڑتال کر کے ان کی درجہ بندی کرتا ہے تو یہاں بھی عدل کا بہترین موقع ہوتا ہے۔ دو یا دو سے زائد بیویوں میں بھی عدل ہی کے لیے حکم دیا گیا ہے۔ صدر مملکت جب اپنے صوابدیدی اختیارات استعمال کرتا ہے تو اسے بھی ملکی مفاد سامنے رکھتے ہوئے عدل کے تحت ہی یہ کارروائی کرنا چاہیے۔ وزیراعظم کی طرف آیئے! وزراء کی تقرری سے لے کر قومی اہمیت کے تمام فیصلوں میں قدم قدم پر عدل کی ضرورت پیش آتی ہے۔ عدل محض کسی نظام کا نام نہیں ہے۔ یہ درست انسانی

رویوں سے تشکیل پانے والی ایک کیفیت ہے جو انسانی ذہن سے شروع ہو کر اس کے اعمال و افعال تک آ پہنچتی ہے۔ اسلامی معاشرے میں ہر شخص اساسی طور پر عادل ہوتا ہے۔ وہ گھر کے اندر ہو تو عدل کرتا ہے' وہ دفتر میں ہو تو عدل ہی سے فیصلے کرتا ہے' وہ منڈی بازار میں ہو تو ناپ تول کے ذریعے عدل کرتا ہے' وہ استاد ہو تو اپنی بہترین صلاحیتوں کے ذریعے عدل کرتا ہے۔

اسلامی معاشرے کے ان سب عادل افراد میں بہترین فرد جب منصب قضاء پر فائز کر دیا جائے تو محکمہ قضاء وجود میں آتا ہے جہاں آخری چارہ کے طور پر لوگ حصول عدل کے لیے جاتے ہیں۔ اسلام کے تصور عدل و قضاء کا یہی خلاصہ ہے۔

مزید مطالعہ کے لیے

اس باب میں موضوع کے صرف اہم پہلوؤں کا ذکر ممکن ہو سکا ہے۔ تصور عدل و قضاء کے بارے میں کئی اہم موضوعات کتب فقہ میں ملتے ہیں۔ تفصیل کے لیے مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ مفید ہو سکتا ہے۔

۱۔ ادب القاضی' ڈاکٹر محمود احمد غازی' اسلام آباد۔

۲۔ اسلامی عدالت (اسلام کے عدالتی قوانین کا مجموعہ)' مجاہد الاسلام قاسمی' لاہور۔

۳۔ اسلام کا نظام حکومت' مولانا حامد الانصاری غازی' لاہور۔

۴۔ اسلام کا نظام حکومت' ماوردی' ترجمہ' پروفیسر ساجد الرحمٰن صدیقی' لاہور۔

۵۔ اسلامی ریاست' سید ابوالاعلی مودودی' لاہور۔

۶۔ اسلامی عدالت' ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن' لاہور۔

اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو زندگی میں ہر قدم پر عدل کی توفیق عطا فرمائے' آمین۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ اصفہانی' المفردات فی غریب القرآن' دیکھئے ن ص ف

۲۔ احمد رضا' معجم متن اللغہ' بیروت' دار مکتبہ الحیاۃ' ۱۹۵۹ء' ج ۴' ص ۴۷

۳۔ اصفہانی' حوالہ ایضاً

۴۔ احمد بن حنبل' المسند' مسند النساء' حدیث ام سلمہ'

۵۔ ابوداؤد' السنن' کتاب القضاء' باب فی طلب القضاء

۶۔ احمد بن حنبل، المسند، مسند النساء مسند السیدہ عائشہ الصدیقہ

۷۔ ابوداؤد، السنن، کتاب القضاء، باب فی القاضی یخطی

۸۔ بخاری، کتاب الاحکام

۹۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ج ۱۰، ص ۸۹

۱۰۔ صنعانی، المصنف، ج ۸، ص ۲۹۸

۱۱۔ ماوردی، الاحکام السلطانیہ، (ترجمہ، اسلام کا نظام حکومت، پروفیسر ساجد الرحمٰن صدیقی، لاہور، اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۹۰ء، ص ۱۲۶)

۱۲۔ قاسمی، مجاہد الاسلام، قاضی شریعت دارالقضا مرکزی امارت شریعہ بہار و اڑیسہ، (اسلام کے عدالتی قوانین کا مجموعہ)، لاہور، ادارہ معارف اسلامی، ۱۹۹۰ء

۱۳۔ غازی، محمود احمد، ادب القاضی، اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی، ۱۹۸۳ء

۱۴۔ بخاری، کتاب الاحکام، باب ہدایا العمال

۱۵۔ ابوزہرہ، "**ابوحنیفہ، حیاتہ و عصرہ و آراءہ و فقہہ**" ص ۴۶

۱۶۔ قلعہ جی، "فقہ حضرت عمر" ترجمہ، ساجد الرحمٰن صدیقی، لاہور، ادارہ معارف اسلامی، ۱۹۹۰ء

مصادر و مراجع

۱۔ ابوداؤد: سلیمان بن الاشعث (۲۷۵ھ) "**السنن**" استنبول، دارالدعوۃ، ۱۴۰۱ھ

۲۔ ابوزہرہ: محمد "**ابو حنیفہ، حیاتہ و عصرہ و آراءہ و فقہہ**" قاہرہ، دارا لفکر العربی، ۱۹۶۰ء

۳۔ احمد بن حنبل، امام: (۲۴۱ھ) "**المسند**" مصر، دارالمعارف، ۱۳۷۰ھ۔

۴۔ احمد رضا: "**معجم متن اللغہ**" بیروت، دار مکتبہ الحیاۃ، ۱۹۵۹ء۔

۵۔ اصفہانی: حسین بن محمد، راغب اصفہانی (۵۰۲ھ) "**المفردات فی غریب القرآن**" کراچی، نور محمد کارخانہ کتب۔

۶۔ بخاری: محمد بن اسمٰعیل بن ابراہیم (۲۵۶ھ) "الجامع الصحیح" استنبول، دارا لطباعۃ العامرۃ۔

۷۔ بیہقی: ابوبکر احمد بن الحسین بن علی، (۴۵۸ھ) "**السنن الکبریٰ**" ملتان، نشرالسنہ۔

۸۔ صنعانی: ابی بکر عبدالرزاق بن ہمام (۲۱۱ھ) "**المصنف**" بیروت، المکتب الاسلامی، ۱۹۷۲ء

۹۔ غازی: محمود احمد "ادب القاضی" اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی، ۱۹۸۳ء

۱۰۔ قاسمی: مجاہد الاسلام، قاضی شریعت دارالقضاء مرکزی امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ، "اسلامی عدالت (اسلام کے عدالتی قوانین کا مجموعہ)" لاہور، ادارہ معارف اسلامی، ۱۹۹۱ء۔

۱۱۔ قلعہ جی: محمد رواس، ڈاکٹر "فقہ حضرت عمر"، ترجمہ، ساجد الرحمٰن صدیقی، لاہور، ادارہ معارف اسلامی، ۱۹۹۰ء

۱۲۔ ماوردی علی بن محمد (۴۵۰ھ) "**الاحکام السلطانیہ**" ترجمہ، "اسلام کا نظام حکومت" پروفیسر ساجد الرحمن صدیقی، لاہور، اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۹۰ء

''مطالعہ اسلامی قانون'' کے مطبوعہ مضامین

۱۔ اسلامی قانون کے مأخذ، ماخذ اول۔قرآن

۲۔ اسلامی قانون کے مأخذ، ماخذ دوم۔سنت

۳۔ اسلامی قانون کے مأخذ، ماخذ سوم۔اجماع

۴۔ اسلامی قانون کے مأخذ، ماخذ چہارم۔قیاس

۵۔ اجتہاد کی تعریف

۶۔ اسلام میں قانون سازی کا تصور اور طریق کار

۷۔ دینی مسائل میں اختلاف، اسباب اور ان کا حل

۸۔ اسلام کا قانون نکاح وطلاق

۹۔ اسلام کا قانون وراثت ووصیت

۱۰۔ اسلام میں عورت کی استثنائی حیثیت اور اس کی وجوہ

۱۱۔ اسلام کا تصور ملکیت ومال

۱۲۔ اسلام کا تصور معاہدہ

۱۳۔ اسلام میں شراکتی کاروبار کا تصور

۱۴۔ مزارعت اور مساقات

۱۵۔ اسلام کا نظام محاصل

۱۶۔ اسلام کا نظام مصارف

۱۷۔ اسلام میں عدل وقضاء کا تصور

۱۸۔ اسلام کا نظام احتساب

۱۹۔ اسلامی نظام عدل وقضاء میں شہادت کا تصور

۲۰۔ اسلام کا تصور جرم وسزا

۲۱۔ اسلام کا فوجداری قانون

۲۲۔ اسلام کا دستوری قانون

۲۳۔ اسلام کا قانون بین الممالک

۲۴۔ اسلام میں ربا کی حرمت اور بلاسود سرمایہ کاری